پہلا رنگ

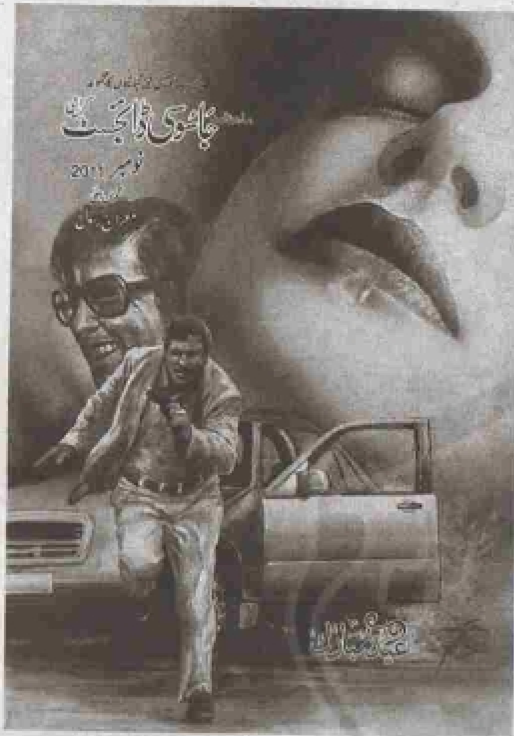

طے شدہ محبت

کاشف زبیر

وقت کے بدلتے موسموں... بدلتی رُتوں میں محبت کرنا کوئی جرم نہیں رہا... بلکہ فن گردانا جاتا ہے... اب ہر لڑکا اور لڑکی خلاِ عشق میں گرفتار نظر آتا ہے... محبت کی راہیں کتنی ہی پُرپیچ کیوں نہ ہوں... اسے حاصل کرنے کے لیے غلط راستوں کا انتخاب نئی نسل کی تباہی کا پہلا زینہ ہے... ایک لڑکا اور لڑکی کی محبت کا فسانہ... جن کے والدین ایک اکھاڑے میں آکھڑے ہوئے تھے۔

تیمور اور شامی کی بزم میں ایک اور فسادِ محبت کا یادگار اضافہ

شامی نے نوشی کو دیکھ کر پلٹنا چاہا لیکن اس نے اسے دیکھ لیا تھا۔ آج خلافِ معمول شامی صبح سویرے اٹھ گیا تھا اور مزید شامتِ اعمال، وہ جوگنگ کرنے بھی نکل کھڑا ہوا تھا۔ وہ بھول گیا تھا کہ نوشی بلاناغہ جوگنگ کے لیے نکلتی ہے۔ شامی نے گہری سانس لے کر جاگنگ جاری رکھی۔ نوشی کے تاثرات اسے دیکھ کر خوفناک ہو گئے تھے۔ وہ قریب آتے ہوئے اس کے پاس رک گئی۔ مجبوراً شامی کو بھی رکنا پڑا۔

"ہیلو۔" وہ خوش خلقی سے مسکرایا۔

لیکن نوشی نے مسکرانے کی بالکل بھی کوشش نہیں کی اور کھردرے لہجے میں بولی۔ ”وہ لڑکی کون تھی اس روز تمہارے ساتھ ریستوران میں؟“

”کس دن؟“ شامی نے سر کھجایا۔ ”جب تک تم دن کی وضاحت نہیں کروگی، مجھے کیسے یاد آئے گا؟“

اس پر نوشی نے دانت پیسے۔ ”جولائی کے آخری دن کی بات کر رہی ہوں۔“

”اوہ، اچھا۔“ شامی نے یاد کرنے کی اداکاری کی۔ ”کیا خوب یاد دلایا۔ وہ روشنا تھی۔“

”روشنا کون؟“

”روشنا ایک لڑکی ہے۔“ شامی نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔ ”تم نے دیکھا تو تھا اگرچہ ذرا موٹی ہے لیکن خوب صورت ہے۔“

نوشی نے دوبارہ دانت پیسے۔ ”شامی! میں تمہیں قتل کر دوں گی۔“

شامی نے افسوس سے سر ہلایا۔ ”اس طرح دانت پیسنے سے یہی ہوگا۔ یقیناً تمہارا سر چکراتا ہوگا اور تمہارے خیالات تو سن چکا ہوں۔ اس کیفیت میں انسان بلاوجہ قتل وغیرہ کرنے کا سوچتا ہے۔“

نوشی نے پاؤں پٹخے۔ ”میں اس لڑکی کے بارے میں پوچھ رہی ہوں... اس سے تمہارا کیا تعلق ہے؟“

”فی الحال تو کوئی تعلق نہیں ہے۔“ شامی نے سادگی سے کہا۔ ”ممکن ہے بعد میں کوئی تعلق بن جائے۔ بائی دی وے، تم کیوں پوچھ رہی ہو؟“

نوشی نے مزید کچھ دیر دانت پیسنے کا شغل جاری رکھا پھر کہا۔ ”شامی! تم سدھر جاؤ ورنہ...“

”بس۔“ شامی نے منہ بنا کر کہا۔ ”اس کام کے لیے دادا جان کافی ہیں۔ کاش، تم مجھ سے پہلے دادا جان سے ملی ہوتیں۔“

”کیا مطلب؟“ نوشی چونکی۔ ”ان سے مل کر کیا کرتی؟“

”تم دونوں کچھ کرتے، دادا جان کو بھی اکیلے رہتے ہوئے عرصہ گزر گیا ہے۔ میری جان بچ جاتی اور ممکن ہے شادی کے بعد دادا جان کے خیالات میں بھی خوشگوار تبدیلی آجاتی۔“

شامی بات مکمل کرتے ہی وہاں سے روانہ ہوگیا۔ نوشی کی سمجھ میں کچھ دیر سے آیا اور وہ اس کے پیچھے لپکی لیکن اتنی دیر میں شامی وقار ولا کے گیٹ سے اندر جا چکا تھا۔ لان میں فولاد خان اخبار تہ کر کے پڑھ رہا تھا۔ شامی اس کے پاس ہی کرسی پر ڈھیر ہوگیا۔ اس نے پوچھا۔

”فولاد خان! کوئی خاص خبر ہے؟“

”خاص تو نہیں اے پر کل رشید بلا اور اکرم موجی کے درمیان لڑائی اوئی۔ دونوں طرف سے دبا کر فیرنگ اوئی اور دو آدمی مارا گیا۔“

شامی چونکا۔ رشید بلا اور اکرم موجی اس علاقے کے نامی گرامی بدمعاش تھے اور ان کے باقاعدہ گینگ تھے۔ دونوں حریف تھے لیکن تصادم کی نوبت کم ہی آتی تھی۔ انہوں نے شہر کو بانٹ رکھا تھا۔ بھتّا، کار لفٹنگ، پاکٹ مار اور منشیات فروشی ان کی کمائی کا ذریعہ تھے۔ ایک طرح سے وہ شہر کے مافیا تھے۔ شامی نے فولاد خان سے اخبار طلب کیا۔ ”ذرا دیکھوں، وجہ کیا ہے؟“

لیکن وجہ کا علم رپورٹر کو بھی نہیں تھا۔ خبر کے مطابق کل شام پانچ بجے اچانک ہی دونوں پارٹیاں مسلح ہو کر آمنے سامنے آگئیں اور شہر کا ایک معروف بازار میدانِ جنگ بن گیا۔ اندھادھند فائرنگ میں ہمیشہ کی طرح دو بے گناہ افراد داعی اجل کو لبیک کہنے پر مجبور ہوئے۔ پولیس کا آنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا لیکن جب نجی ٹی وی چینل اس جنگ کی براہِ راست کوریج کرنے لگے تو مجبوراً پولیس بھی ان کو کوستی ہوئی حرکت میں آئی اور ان کے آنے سے دونوں حریف بادل ناخواستہ لیکن نہایت اطمینان سے رخصت ہوئے۔ پولیس نے ان کی روانگی میں کسی قسم کا خلل نہیں ڈالا۔ ایک وجہ تو دونوں گروپوں سے پولیس کے دیرینہ تعلقات تھے، دوسرے وہ پولیس سے کہیں زیادہ جدید اسلحے سے لیس تھے اور اگر پولیس روکنے کی کوشش کرتی تو پورا امکان تھا کہ مارے جانے والوں میں دو تین پولیس والوں کا بھی اضافہ ہو جاتا۔ دونوں گروپ اپنے زخمی ہونے والے آدمی بھی ساتھ لے گئے۔ باقی دو لاشیں اور کوئی نصف درجن زخمی وہیں پڑے رہ گئے۔ ابھی تک اس تصادم کی وجہ سامنے نہیں آئی تھی۔

اخبار دیکھ کر شامی اندر آیا تو نظام دین ٹکر گیا۔ اس نے شامی کو دیکھ کر مخصوص میسنے انداز میں مسکرا کر کہا۔ ”شامیر صاحب! آپ کو نواب صاحب ناشتے کی میز پر طلب کر رہے ہیں؟“

عام طور سے ناشتے کی میز پر طلبی اس وقت ہوتی تھی جب نواب صاحب کو انہیں کوئی کام سونپنا ہوتا تھا۔ جبکہ سرزنش کے لیے ڈنر کے بعد اسٹڈی میں طلبی ہوتی تھی اور ہنگامی حالات میں بے عزتی کے لیے کوئی وقت اور جگہ مخصوص نہیں

تھی۔ نواب صاحب اس کے لیے ان کو کہیں بھی اور کبھی بھی طلب کر لیتے تھے۔ شامی نے نظام دین سے کہا۔ ”میں تیار ہو کر آتا ہوں۔“

تیمور خوابِ خرگوش میں مگن تھا۔ کسی وجہ سے آج اس کی یونیورسٹی بند تھی اور وہ سو رہا تھا۔ شامی نے اسے نہیں چھیڑا اور باتھ لے کر نیچے آیا جہاں نواب صاحب ناشتے سے فارغ ہو کر اس کے منتظر تھے۔ چائے وہ اپنی اسٹڈی میں لیتے تھے۔ شامی نے سعادت مندی سے ناشتے کے آغاز سے پہلے کہا۔ ”جی دادا جان، آپ نے طلب کیا ہے؟“

”ہاں برخوردار! آج کل تم دونوں فارغ ہو۔“

”جی دادا جان۔“ شامی نے بادل ناخواستہ کہا، اس کے اندر خطرے کی گھنٹی بجنے لگی۔ ”حکم فرمائیں۔“

”وقار ولا کے ٹیکس میں کچھ مسئلہ ہوا ہے۔ ٹیکس بہت زیادہ لگا دیا ہے۔ تم اور تیمور جا کر اس معاملے کو دیکھو۔“

شامی نے سکون کا سانس لیا۔ یہ اتنا بڑا مسئلہ نہیں تھا۔ اگرچہ اس قسم کے معاملات نواب صاحب کا وکیل دیکھتا تھا لیکن ان دنوں وہ بائی پاس کی وجہ سے بستر پر دراز تھا۔ شامی نے مستعدی سے کہا۔ ”بالکل دادا جان! میں اور تیمور آج ہی جاتے ہیں۔“

”آج نہیں برخوردار! ابھی ایک گھنٹے میں روانہ ہو جاؤ۔ اس قسم کے سارے کام صبح سویرے احسن انداز میں ہوتے ہیں۔ جیسے جیسے دن چڑھتا ہے افسر شاہی کا دماغ بھی خراب ہوتا جاتا ہے۔“

اگرچہ افسر شاہی کا دماغ درست کرنے کے لیے نواب صاحب کا نام ہی کافی ہوتا لیکن شامی نے عجلت میں ناشتا کیا اور پھر تیمور کو اٹھا کر خوش خبری سنائی۔ ”دادا جان نے ولا کے ٹیکس کا معاملہ سپرد کیا ہے۔ ٹیکس والوں کے دفتر جانا ہے۔“

تیمور نے جماہی لی۔ ”یار! تُو چلا جا، ایک آدمی بھی یہ کام کر سکتا ہے۔“

”میں چلا جاؤں؟“ شامی نے چالاکی سے کام لیا۔ ”لیکن دادا جان کا حکم ہے کہ ہم دونوں کو ساتھ جانا ہے۔“

تیمور نے غصے سے اسے دیکھا اور بادل ناخواستہ حرکت میں آیا۔ شامی نے اسے خبردار کیا کہ ناشتے کا وقت نہیں ہے کیونکہ دادا جان نے روانگی کے لیے انہیں ایک گھنٹے کا وقت دیا ہے۔ اس میں سے نصف گھنٹا گزر چکا تھا۔ تیمور عجلت میں تیار ہو کر آیا۔ وہ روانہ ہوئے۔ راستے میں پہلے تیمور نے ایک کیفے سے ناشتا کیا اور پھر وہ پراپرٹی ٹیکس کے دفتر پہنچے۔ نوٹس میں ٹیکس غلط لگا دیا گیا تھا۔ کچھ رقم فی مربع گز سے بڑھ جانے کی صورت میں ٹیکس خاصا بڑھ گیا تھا کیونکہ وقار ولا تقریباً ڈھائی ہزار گز پر تھا۔ انہیں کچھ مشکل تو پیش آئی لیکن وہ معاملہ سیٹ کر کے وہاں سے نکلے۔ نواب صاحب کا نام سن کر متعلقہ افسر ویسے ہی موم ہوگیا تھا اور اس نے یقین دلایا کہ جلد درست ٹیکس کے ساتھ نوٹس جاری کر دیا جائے گا۔ وہ باہر نکلے تو شامی کو بھوک لگ رہی تھی۔ اس نے بھی جلدی میں ٹھیک سے ناشتا نہیں کیا تھا اس لیے انہوں نے پھر ایک ریستوران کا رخ کیا۔

☆☆☆

اس پرانی ساخت لیکن مضبوط باڈی اور طاقتور انجن والی کار میں تین افراد تھے۔ ڈرائیونگ سیٹ پر ایک ادھیڑ عمر شخص تھا جبکہ پیچھے ایک تنومند آدمی کے ساتھ ایک نازک اندام اور نوجوان لڑکا سہما ہوا بیٹھا تھا۔ اس کے ڈر کی وجہ وہ پستول تھا جو اس کی پسلیوں سے لگا ہوا تھا۔ اس نے منمنا کر کہا۔ ”تم لوگ مجھے کہاں لے جا رہے ہو؟“

”کاکے! تجھے جلد پتا چل جائے گا۔“ ڈرائیونگ کرنے والے نے سفاک لہجے میں کہا۔ ”کل تک تیرے باپ کو بھی پتا چل جائے گا۔“

لڑکے کے ساتھ بیٹھا ہوا شخص بہت مسرور تھا، اس نے کہا۔ ”استاد خوش ہو جائے گا۔“

ڈرائیونگ کرنے والے نے کہا۔ ”استاد تو خوش ہو جائے گا پر بندہ غلط نکل آیا تو پھر کون بھگتے گا؟“

”اس کی فکر مت کرو۔“ وہ شخص بولا۔ ”بندے کی گارنٹی ہے۔ آخر اس شخص نے ٹھیک ہی اطلاع دی۔“

”پھر بھی اس سے پوچھ لو۔“ ڈرائیور نے اصرار کیا۔ ”ایسا نہ ہو یہ کسی دینو قصائی کی اولاد نکل آئے۔“

”اس کی ضرورت نہیں ہے۔ اڈے پر پہنچ کر اس کی زبان خود کھل جائے گی اور یہ سارا سبق فرفر سنا دے گا۔“

”اچھا تیری مرضی، پر میں بول دوں گا اسے تُو نے پہچانا تھا۔“

”ہاں، بے شک بول دینا۔ ابھی اس سے کچھ پوچھا تو یہ جھوٹ ہی بولے گا، پر جب دو چار ہنٹر لگیں گے تو بالکل سچ بولے گا۔“

نوجوان مزید سہم گیا، اسے ان لوگوں کے عزائم ٹھیک نہیں لگ رہے تھے۔ ”تم لوگ مجھ سے کیا معلوم کرنا چاہتے ہو؟“

”کاکے! اتنی جلدی کیا ہے، آرام سے پوچھیں گے۔“ اس کے ساتھ بیٹھے شخص نے چمکار کر کہا۔ اس دوران میں کار ایک ٹریفک سگنل پر رکی اور اس شخص نے جیب سے موبائل

نکلا۔ رابطہ ہونے پر اس نے کہا۔ ‘‘استاد! میں بات کر رہا ہوں... جی سرکار، بندہ ہاتھ آ گیا ہے... اوئے اوئے...’’

یہ الفاظ اس نے نوجوان سے کہے تھے جو اچانک ہی کار کا دروازہ کھول کر نیچے لڑھک گیا تھا۔ موبائل پر بات کرتے ہوئے اس شخص کا پستول ذرا ہٹ گیا تھا اور کار رکی ہونے کی وجہ سے اس نے پستول چھپا لیا تھا تاکہ کسی کی نظر نہ پڑے۔

گزشتہ پندرہ منٹ سے نوجوان اتنا فرماں بردار بنا ہوا تھا کہ اسے خیال بھی نہیں آیا تھا کہ وہ فرار کی کوشش بھی کر سکتا ہے اور یہ حرکت بھی اس نے اپنی جان پر کھیل کر کی تھی۔ ان لوگوں کی بدقسمتی کہ اسی لمحے سگنل کھل گیا اور گاڑیاں حرکت میں آ گئیں۔ نوجوان نیچے اترا تھا اور کہیں غائب ہو گیا تھا۔ فون کرنے والا اب فون بند کر کے اس کے پیچھے جانے کے لیے اتر رہا تھا کہ دروازہ جھٹکے سے بند ہوا۔ اس کا ایک پاؤں اور ایک ہاتھ باہر آ چکا تھا، وہ دروازے میں آ گیا اور اس نے دہاڑ نما چیخ ماری۔ دروازہ بند کرتے ہی نوجوان اٹھ کر بھاگا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس نے چلتی گاڑیوں کے درمیان پھرتی سے سڑک کراس کر لی۔ ڈرائیور اتر کر اس کے پیچھے لپکا جبکہ دوسرا اس قابل نہیں تھا۔ اس کے پاؤں پر شدید چوٹ آئی تھی۔ عقب میں موجود گاڑیوں نے ہارن بجانا شروع کر دیے تھے۔ ہارن کے شور میں اس کے منہ سے نکلنے والی گالیاں دب گئیں۔

سڑک کراس کرنے میں ڈرائیور کو دیر لگی تھی اور جب تک وہ اس طرف آتا، نوجوان غائب ہو چکا تھا، اس کی پھرتی قابلِ داد تھی اور یہ داد اسے ڈرائیور کی غائبانہ گالیوں کی صورت میں مل رہی تھی۔ ڈرائیور کچھ دیر پاگلوں کی طرح آس پاس بھاگتا رہا۔ پھر وہ مایوس ہو کر پلٹ آیا۔ اس کا ساتھی اپنے پاؤں کو رو رہا تھا۔ وہ آتے ہی اس پر چڑھ دوڑا۔ ‘‘تجھے نمبر بنانے کا چسکا تھا نا... اس پر نظر نہیں رکھی۔ فون کرنا ضروری تھا؟’’

دوسرے نے واویلا مچایا۔ ‘‘وہ میرے پاؤں کی ہڈی توڑ گیا ہے۔’’

‘‘اولاد کس کی ہے، شکر کر تیرا سر سلامت ہے۔’’ ڈرائیور نے کار اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔ ‘‘اب استاد کو جواب دینا۔ کال بھی کر دی ہے، چھپا بھی نہیں سکتے۔ ورنہ بول دیتے کہ بندہ ملا ہی نہیں۔’’

ان دونوں کے چہروں پر بارہ بج رہے تھے۔ دوسرا بندہ بولا۔ ‘‘اسے تلاش کرتے ہیں ورنہ استاد نہیں چھوڑے گا۔’’

وہ تقریباً نصف گھنٹے تک وہاں چکراتے رہے۔ کار انہوں نے سڑک کے کنارے لگا دی تھی مگر نوجوان نہیں ملا۔ مایوسی کے عالم میں وہ وہاں سے رخصت ہو گئے۔ اس دوران میں انہوں نے استاد کو کال کر کے نوجوان کے فرار کی اطلاع کر دی اور اس سے گالیاں بھی کھائی تھیں۔ ان کی گاڑی روانہ ہونے کے بعد نوجوان نے ایک کار کی عقبی سیٹ سے سر اٹھا کر انہیں دیکھا اور کار سے اترنے والا تھا کہ اس نے دو نوجوانوں کو کار کی طرف آتے دیکھا۔ وہ جلدی سے دوبارہ سیٹوں کے درمیان والی جگہ دبک گیا۔ ان کو چکما دے کر وہ اس کار میں گھس گیا تھا۔

شامی اور تیمور ریستوران سے باہر آئے۔ پیٹ بھرنے کے بعد شامی کا موڈ خوشگوار ہو گیا تھا۔ اس نے کار میں بیٹھتے ہوئے تیمور سے کہا۔ ‘‘آج صبح ہی صبح شامت آئی اور میں جوگنگ کرنے نکل پڑا۔’’

‘‘یقیناً نوشی ٹکرا گئی ہو گی؟’’ تیمور ہنسا۔ ‘‘روشنا کے بارے میں پوچھ رہی ہو گی؟’’

‘‘یار! یہ ابھی سے اتنا میرے سر پر سوار ہوتی ہے۔’’ شامی کا موڈ خراب ہو گیا۔ ‘‘شادی کے بعد تو جینا حرام کر دے گی۔ شاید پردے میں بٹھا دے۔’’

‘‘بیٹے تُو نے بھی تو اسے لارے دیے تھے۔ اب دوسری لڑکیوں کے ساتھ نظر آئے گا تو اس کا دماغ خراب ہو گا۔’’

‘‘میں کون سا روشنا سے عشق لڑا رہا تھا۔’’ شامی بھنّا گیا۔ ‘‘وہ اتنی دور سے ملنے آئی تھی تو کیا انکار کر دیتا؟’’

‘‘یہ بات نوشی کی سمجھ میں تو نہیں آئے گی۔ تُو ہمت کر کے اسے بتا کیوں نہیں دیتا؟’’

شامی نے نفی میں سر ہلایا۔ ‘‘وہ نہیں مانے گی۔ شک اس کے اندر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔’’

‘‘شک ہر عورت کے اندر بھرا ہوتا ہے۔’’ تیمور نے فلسفیانہ انداز میں کہا۔ ‘‘بلکہ کہنا چاہیے کہ عورت کی کمپوزیشن میں شک کا عنصر سب سے زیادہ ہوتا ہے۔’’

شامی کچھ کہنے جا رہا تھا کہ تیمور نے چھینک ماری۔ شامی نے اس کی طرف دیکھا۔ ‘‘تجھے زکام ہو رہا ہے؟’’

تیمور ہنسا۔ ‘‘چھینک تجھے آئی ہے اور زکام مجھے ہو رہا ہے۔’’

‘‘چھینک تجھے آئی ہے۔’’ شامی نے تردید کی۔

‘‘میں نہیں چھینکا بھائی۔’’

پھر دونوں کے ذہن میں بیک وقت آیا کہ جب ان

میں سے کوئی نہیں چھینکا تو چھینک کس نے ماری تھی۔ دونوں نے ایک ساتھ مڑ کر پچھلی نشست کی طرف دیکھا۔ وہاں نشستوں کے درمیان لیٹا ہوا نوجوان انہیں دیکھ کر معصومیت سے مسکرایا تو بے ساختہ وہ دونوں بھی مسکرا دیے اور پھر شامی اسے ہیلو کہنے کا ارادہ کر رہا تھا تو اسے خیال آیا کہ وہ اس وقت ایک کار ڈرائیو کر رہا ہے اور اس نے خاصی دیر سے سامنے دیکھنے کی زحمت نہیں کی تھی۔ وہ بوکھلا کر سیدھا ہوا اور بروقت سیدھا ہوا کیونکہ کار سگنل پر رکی، ایک دوسری کار کی طرف جا رہی تھی اور اس سے مشکل سے بیس گز کے فاصلے پر رہ گئی تھی۔ شامی نے پوری قوت سے بریک لگائے۔ کار جھٹکے سے رکی۔ اگلی کار صرف ایک فٹ دور رہ گئی تھی۔ جھٹکے سے تیمور بھی سیدھا ہوا۔ کار رکی تو نوجوان نے نکل بھاگنے کی کوشش کی۔ لیکن شامی نے بروقت مڑ کر اس کی شرٹ پکڑ کر اسے پیچھے کھینچ لیا۔ اس دوران میں تیمور کار سے اتر کر پچھلی نشست پر آ گیا اور اس نے نوجوان کی گردن دبوچ لی۔

‘‘کون ہو تم اور ہماری کار میں کیسے گھسے؟’’

‘‘دروازہ کھلا تھا اس لیے گھس گیا۔’’ نوجوان نے سادگی سے وضاحت کی۔

تیمور بھنّا گیا۔ ‘‘دروازے کے بچے، میں پوچھ رہا ہوں تم کیوں گھسے اندر؟’’

‘‘یہ چور ہے۔’’ شامی نے سگنل کھلنے پر کار آگے بڑھا دی۔ ‘‘اگرچہ صورت سے نہیں لگتا۔’’

‘‘میں چور نہیں ہوں۔’’ نوجوان نے احتجاج کیا۔

‘‘پھر کون ہو اور کار میں کیوں گھسے؟’’ تیمور نے پوچھا۔

‘‘یہ چور ہے۔’’ شامی نے پھر کہا۔

‘‘دیکھیں، ان کو منع کریں میں چور نہیں ہوں۔’’ نوجوان نے پہلے سے زیادہ احتجاجی لہجے میں کہا۔

‘‘اچھا، کسی دوسرے کی کار میں اس طرح چھپ کر تم کوئی نیک کام کر رہے تھے؟’’ شامی کے لہجے میں طنز تھا۔ اس نے کار مین روڈ سے ہٹا کر ایک ذیلی سڑک پر روک دی تھی۔ ‘‘اس سے پہلے کہ تمہیں پولیس کے حوالے کریں، شرافت سے اگل دو کار میں کیوں گھسے تھے؟’’

‘‘وہ... میں اپنے دشمنوں سے بچنے کے لیے یہاں چھپا تھا۔’’ نوجوان نے ہچکچا کر کہا۔

شامی نے اس کا جائزہ لیا۔ ‘‘برخوردار! ابھی تم صحیح سے بالغ بھی نہیں ہوئے ہو اور دشمنیاں بھی شروع کر دی ہیں؟’’

‘‘میں نے کوئی دشمنی نہیں شروع کی ہے۔’’ اس نے اس بات کا بھی برا مان کر کہا۔ ‘‘وہ خود میرے پیچھے پڑ گئے تھے اور مجھے پکڑ کر لے جا رہے تھے۔ سگنل پر رکے تو میں ان کی کار سے بھاگ گیا۔’’

‘‘لگتا ہے تمہیں سگنل پر بھاگنے کی عادت ہے۔’’ شامی نے تبصرہ کیا اور تیمور کی طرف دیکھا۔ ‘‘اس کا کیا کرنا ہے؟’’

‘‘آج کل کوئی کسی کو بلاوجہ پکڑ کر نہیں لے جاتا۔ تم نے کچھ تو کیا ہو گا؟’’ تیمور نے شک سے کہا۔

‘‘اسے پولیس کو دے دو، وہ خود اگلوا لے گی۔’’ شامی نے کہا اور کار اسٹارٹ کرنے لگا۔ ‘‘پولیس اسٹیشن یہاں سے قریب ہے۔’’

‘‘پلیز! میری بات سنو۔’’ نوجوان گھگیایا۔ لہجے سے وہ تعلیم یافتہ لگ رہا تھا۔

‘‘کیا سنیں؟ جب تم کچھ بتانے کے لیے تیار ہی نہیں ہو۔’’ شامی نے کہا۔ ‘‘ہماری کار میں گھس کر تم نے ایک جرم اور کیا ہے۔ اس پر تمہیں کم سے کم چھ مہینے کی سزا ہو سکتی ہے۔’’

نوجوان کچھ دیر سوچتا رہا پھر اس نے ہچکچا کر کہا۔ ‘‘میں گھر سے بھاگا ہوا ہوں۔’’

شامی نے بے ساختہ قہقہہ لگایا۔ ‘‘لڑکیاں تو گھر سے بھاگتی تھیں، اب لڑکے بھی بھاگنے لگے ہیں۔’’

نوجوان دکھی ہو گیا۔ ‘‘آپ میرا مذاق مت اڑائیں جی۔ میں بہت مجبوری میں گھر سے بھاگا ہوں۔’’

‘‘لڑکیاں بھی اسی قسم کے بیانات دیتی ہیں جب پکڑی جاتی ہیں۔’’ شامی اب بھی اپنی ہنسی روک رہا تھا۔ تیمور نے اس کی طرف دیکھا۔

‘‘یار! مجھے تو اس پر ترس آ رہا ہے۔ ایسا کرتے ہیں اسے گھر لے چلتے ہیں، وہاں سکون سے بیٹھ کر اس کی کہانی سنیں گے۔’’

‘‘اور اس کے بعد دادا جان کے سوالوں کے جوابات دیں گے اور بے عزتی کرائیں گے۔’’ شامی نے طنز کیا۔ ‘‘مجھے تو معاف رکھو۔’’

‘‘یار! اب دادا جان اتنے بھی خطرناک نہیں ہیں۔ وہ تو ہمارے کام ہی ایسے ہوتے ہیں جن کا انجام بے عزتی ہوتی ہے۔’’ تیمور نے حقیقت سے کام لیا مگر شامی اس سے متفق نہیں تھا۔

‘‘آج کل ستارے کچھ زیادہ ہی گردش میں ہیں اس لیے ہر بات پر بے عزتی ہوتی ہے۔’’

نوجوان یہ سن کر خوش ہوا۔ اس نے صاف گوئی سے کہا۔ ‘‘آپ خود دوسروں کی بے عزتی کرتے ہیں اس لیے

آپ کی بھی بے عزتی ہوتی ہے۔‘‘

‘‘میں صرف ان کی بے عزتی کرتا ہوں جو اس کے مستحق ہوتے ہیں۔’’ شامی نے بُرا منایا اور کار اسٹارٹ کر کے دوبارہ سڑک کی طرف آ گیا۔ ‘‘یار! لکھ کر رکھ لو اسے بالآخر واپس پولیس اسٹیشن لانا پڑے گا اور اس وقت تک دادا جان بھی اس معاملے میں شامل ہو جائیں گے۔’’

‘‘تو کیا ویسے دادا جان شامل نہیں ہوں گے؟’’ تیمور نے طنز کیا۔ ‘‘پولیس والے صرف ہماری صورت دیکھ کر اسے رکھ لیں گے۔۔۔ وہاں نام پتا کچھ نہیں دینا ہوگا؟’’

شامی نے اس بارے میں تو سوچا نہیں تھا لیکن اس نے ڈھٹائی سے کہا۔ ‘‘یہ مسئلہ بھی کسی طرح حل کر لیتے لیکن ایک بار اسے گھر لے گئے تو اس کے بعد یہ معاملہ لازمی دادا جان کے علم میں آ جائے گا۔’’

‘‘یہ بھی اچھا ہوگا اگر کوئی گڑبڑ ہوگی تو دادا جان اسے خود دیکھ لیں گے اور ہمارے سر کوئی الزام نہیں آئے گا۔’’

‘‘لگتا ہے آپ کے دادا جان میرے ابّا کی طرح ہیں۔ بچوں کا خون خشک کر کے رکھتے ہیں۔’’ نوجوان نے درمیان میں مداخلت کی۔

‘‘تم اپنے ابّا سے ڈرتے ہو؟’’ شامی نے سوچ کر کہا۔ ‘‘تب کیوں نہ تمہیں تمہارے ابّا کے حوالے کر دیا جائے۔’’

نوجوان کانپ گیا۔ ‘‘بالکل نہیں جی۔۔۔ وہ مجھے قتل کر دیں گے۔’’

تیمور نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ ‘‘تمہارے ابّا تمہیں قتل کر دیں گے۔ وہ کیوں؟’’

‘‘آپ میرے ابّا کو نہیں جانتے۔’’ نوجوان نے کہا۔ ‘‘مجھے جانے دیں، میں وعدہ کرتا ہوں آئندہ آپ کی کار میں نہیں گھسوں گا۔’’

‘‘برخوردار! اتنی جلدی بھی کیا ہے؟’’ تیمور نے اس کی کلائی پکڑ لی۔ ‘‘کچھ دیر ہمارے پاس رہو۔’’

‘‘ممکن ہے ہم تمہارے کام آئیں۔’’ شامی بولا۔ ‘‘ویسے ہی آج کل ہم خدائی فوج دار کا کردار ادا کر رہے ہیں۔’’

نوجوان نے چونک کر ان کی طرف دیکھا اور پُرامید لہجے میں بولا۔ ‘‘آپ ہماری مدد کر سکتے ہیں۔’’

تیمور چونکا۔ ‘‘ہماری؟۔۔۔ تمہارے ساتھ کوئی اور بھی ہے؟’’

نوجوان بوکھلا گیا۔ ‘‘جی، وہ میں اکیلا ہوں۔’’

‘‘پھر تم نے ہماری کا لفظ کیوں استعمال کیا؟’’ شامی نے پوچھا۔

‘‘غلطی سے کہہ دیا۔’’ وہ مردہ لہجے میں بولا۔ لیکن شامی اور تیمور دونوں نے محسوس کیا کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے۔ لڑکا اگرچہ نازک اندام تھا لیکن لڑکیوں کے لیے اس میں خاصی کشش موجود تھی۔ عمر اٹھارہ انیس کے آس پاس تھی جو احمقانہ عشق کے لیے نہایت موزوں ہوتی ہے۔ شامی نے کار کی رفتار تیز کر دی اور دس منٹ بعد وہ وقار ولا میں تھے۔ فولاد خان نے لڑکے کو غور سے دیکھا لیکن اس کے بارے میں کچھ پوچھا نہیں۔ اس نے گیٹ کھول دیا۔ کار پورچ میں کھڑی کر کے تیمور لڑکے کو اپنے ساتھ لے گیا۔ شامی کو نواب صاحب کے حضور رپورٹ پیش کرنا تھی۔ وہ فائل لے کر اسٹڈی میں پہنچ گیا۔ نواب صاحب نے رپورٹ سن کر شامی کو شاباش دی اور ٹھنڈی سانس لے کر بولے۔

‘‘کیا زمانہ آ گیا ہے، آج کل کے نوجوانوں کو اتنے سے کام پر بھی شاباشی دینا پڑتی ہے۔ اللہ بخشے والد صاحب مرحوم خلد آشیانی نے جنگ سے زندہ سلامت واپسی پر بھی جو ذرا تحسین فرمائی ہو۔’’

‘‘اس زمانے میں جنگ سے زندہ واپسی شاید قابلِ تحسین ہوتی بھی نہیں ہوگی۔’’ شامی نے دبی زبان میں کہا۔ نواب صاحب نے گھورا تو وہ جلدی سے بولا۔ ‘‘اس وقت بزرگ ذرا مختلف خیال رکھتے تھے، سب آپ کی طرح فراخ دل تو نہیں ہوں گے۔’’

‘‘برخوردار! چاپلوسی کی نہیں ہو رہی ہے۔’’ نواب صاحب نے کتاب اٹھاتے ہوئے کہا۔ یہ اس بات کا اشارہ تھا کہ اب وہ جا سکتا ہے اس لیے شامی نے فوری باہر کا رخ کیا۔ نوجوان کو تیمور اپنے کمرے میں لے گیا تھا اور اس کے لیے ناشتا بھی منگوا لیا تھا۔ شامی نے اعتراض کیا۔

‘‘اتنی جلدی ناشتا۔۔۔ ابھی تو اس سے پوچھ گچھ بھی کرنی ہے۔’’

‘‘یار! اب یہ ہمارے گھر میں ہے اور ہمارا مہمان بھی ہے اس لیے کھلانا پلانا تو فرض ہے۔’’

‘‘اللہ ان کا بھلا کرے، صبح سے کچھ نہیں کھایا ہے۔ ناشتا لینے نکلا تھا۔’’ نوجوان بولا۔

‘‘اپنا نام تو بتا دو؟’’ شامی نے اسے گھورا۔ نہ جانے کیوں اسے اس لڑکے سے چڑ محسوس ہو رہی تھی۔ وہ اسے دیکھتا تو اسے غصہ آنے لگتا۔

‘‘مجید جی۔۔۔ ویسے سب جوجی کہتے ہیں۔’’

‘‘تو برخوردار جوجی! اب تم اگل دو کہ تم ہماری گاڑی

میں کیوں گھسے تھے اور کون لوگ تمہیں اغوا کر کے لے جا رہے تھے؟ غلط بیانی کی صورت میں تمہیں اس شخص کے حوالے کر دیا جائے گا جسے تم نے ابھی گیٹ پر دیکھا ہوگا۔ وہ دو منٹ میں تمہاری چٹنی بنا دے گا۔’’

‘‘آپ نے پتا نہیں میرے خلاف کیوں بغض پال لیا ہے۔’’ جوجی جز بز ہو کر بولا۔ ‘‘میں آپ سے سچ بولوں گا لیکن اس کے لیے ایک شرط ہے؟’’

‘‘وہ شرط کیا ہے؟’’

‘‘آپ کو میری مدد کرنا ہوگی۔’’

‘‘تمہاری مدد؟’’ شامی بدک کر بولا۔ ‘‘وہ کس خوشی میں؟’’

‘‘آپ نے خود تو کہا ہے کہ آپ خدائی فوج دار ہیں، دوسروں کی مدد کرتے ہیں۔’’ جوجی بات کرتے کرتے چونکا۔ ‘‘میرے خدا! تبھی آپ مجھے جانے پہچانے لگ رہے تھے۔ آپ شامی اور تیمور ہیں نا۔’’

شامی نے تیمور کی طرف دیکھا۔ ‘‘تمہیں کیسے پتا چلا؟’’

‘‘وہ میں آپ کے ناموں کی بات نہیں کر رہا۔۔۔ آپ کی کہانیاں میں پڑھتا رہا ہوں۔ ابّا جی نے کئی بار اس بات پر بھی مارا اور ڈائجسٹ چھین لیا۔’’

‘‘ہاں، ہم وہی ہیں۔’’ شامی نے تسلیم کیا۔ ‘‘لیکن کہانی کوئی اور لکھتا ہے۔’’

جوجی پُرجوش ہو گیا۔ ‘‘میں آپ کا فین ہوں۔ مجھے یقین ہے آپ اپنے اس فین کے ضرور کام آئیں گے۔’’

‘‘لیکن فین صاحب، یہ تو پھوٹیں کہ آپ کے ساتھ مسئلہ کیا ہے؟’’

اس سے پہلے جوجی کچھ کہتا، باورچی ناشتے کی ٹرالی لے آیا۔ اس کے جاتے ہی جوجی بے تکلفی سے ناشتے پر ٹوٹ پڑا۔ تیمور نے اپنے اور شامی کے لیے چائے منگوائی تھی۔ وہ دونوں چائے پینے لگے۔ اپنی چھریری جسامت سے قطع نظر جوجی کی خوراک اچھی خاصی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس نے تقریباً پوری ٹرالی صاف کر دی۔ اس نے ہاتھ صاف کرتے ہوئے ایک ہلکی سی ڈکار لی اور اپنے لیے چائے نکالنے لگا۔ شامی بڑی دیر سے خود پر ضبط کر رہا تھا اور تیمور اس کی حالت سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ چائے بنا کر وہ ان کی طرف متوجہ ہوا۔

‘‘ہاں جی پوچھیں، آپ کو جو پوچھنا ہے؟’’

‘‘ہمیں پوچھنا نہیں تمہیں کچھ بتانا ہے۔’’ تیمور نے کہا۔ ‘‘شروع سے سارا قصہ سناؤ کیا ہوا اور تم ہماری کار تک کیسے پہنچے؟’’

‘‘قصہ تو جی بڑا لمبا ہے۔’’ اس نے سر کھجایا۔

‘‘تم فکر مت کرو، ہمارے پاس بہت وقت ہے۔’’ شامی بولا۔ ‘‘بس کچھ جھوٹ مت بولنا ورنہ اب تو تم ہمیں جانتے ہی ہو۔’’

‘‘میں کالج میں پڑھتا ہوں۔’’ جوجی نے کہا اور اسلام آباد کے ایک بہترین پرائیویٹ کالج کا نام لیا۔ ‘‘میں پری میڈیکل کے فائنل میں ہوں۔ وہیں میری ملاقات صوبی سے ہوئی۔’’

‘‘یہ صوبی کون ہے؟’’

‘‘صاحبہ ہے اصل نام لیکن پیار سے صوبی کہتے ہیں۔ جیسے مجھے جوجی کہتے ہیں۔’’

‘‘ٹھیک ہے، تمہاری صوبی سے ملاقات ہوئی جو پسند اور پھر محبت میں بدل گئی۔ تم دونوں نے ساتھ جینے مرنے کی قسمیں کھائیں اور ساری عمر ساتھ رہنے کا فیصلہ کیا۔ یہ بتاؤ کہ اس کے بعد کیا ہوا؟’’ شامی نے کہا تو جوجی کا منہ کھل گیا۔

‘‘آپ کو کیسے پتا چلا جی؟’’

‘‘برخوردار! ہم نے بھی اس دشت کی سیاحی کی ہے۔’’ شامی نے سرد آہ بھری۔ ‘‘اب تو سیاحت کا بھی خاتمہ قریب ہے۔ خیر اسے چھوڑو، یہ بتاؤ کہ تم دونوں گھر سے کب بھاگے؟’’

جوجی مزید دم بخود رہ گیا۔ ‘‘آپ یہ بھی جانتے ہیں؟’’

‘‘ہاں یار! اب اتنا تو جان لیتے ہیں۔’’ تیمور نے اس کا شانہ تھپکا۔ ‘‘اب تم اصل کہانی کی طرف آؤ، تمہارے والد صاحب نہیں مانے۔’’

جوجی سخت متاثر ہو رہا تھا۔ ‘‘آپ تو بہت ذہین ہو۔ سب جانتے ہو جبکہ میں نے کچھ نہیں بتایا ہے۔’’

‘‘یہ بتاؤ کہ صوبی کیسی ہے؟’’

‘‘بہت پیاری ہے جی، مجھے تو پتا نہیں تھا یہ تو مجھے سرمد نے بتایا۔’’

‘‘سرمد۔۔۔ یہ کون ہے؟’’

‘‘میرا دوست ہے۔’’ جوجی بولا۔ ‘‘اس نے بتایا کہ صوبی بہت پیاری لڑکی ہے اور مجھے اس سے دوستی کرنی چاہیے۔’’

شامی نے اس کی بات پر غور کیا۔ ‘‘تمہارا مطلب ہے اس سے پہلے تمہیں احساس نہیں تھا کہ صوبی ایک پیاری لڑکی ہے اور اس سے محبت کی جا سکتی ہے؟’’

‘‘جی ایسا ہی ہے۔’’ جوجی بولا۔

"یہ سرمد کیسا آدمی ہے اور تمہارا دوست کیسے بنا؟"

"وہ جی... مجھے کالج میں ملتا ہے لیکن وہ وہاں نہیں پڑھتا۔"

"تمہارے والد یا کسی اور کو سرمد کے بارے میں علم ہے؟"

"نہیں، میں نے کسی کو نہیں بتایا کیونکہ ابّا جی نے مجھے کسی سے دوستی کرنے سے منع کیا تھا۔"

"یعنی کوئی نہیں جانتا کہ تمہارا کوئی سرمد نام کا دوست بھی ہے؟" اس بار تیمور نے سوال کیا۔

"جی پھر سرمد نے بھی مجھے منع کیا تھا کہ اس کے بارے میں کسی کو نہ بتاؤں خاص طور سے ابّا جی کو۔"

"ٹھیک ہے، سرمد نے تمہیں صوبی کی طرف متوجہ کیا اور تم ہو گئے۔ اس کے بعد کیا ہوا؟" شامی نے پوچھا۔

"وہی جو آپ نے کہا تھا۔" جوجی شرمایا۔ "ہمیں ایک دوسرے سے محبت ہوگئی۔"

"یہ کب کی بات ہے؟"

"ابھی دو مہینے پہلے کی۔"

شامی اور تیمور حیران ہوئے۔ "اتنی جلدی وہ لڑکی تمہارے ساتھ گھر سے بھاگنے پر بھی تیار ہوگئی؟"

"ہاں جی، سرمد نے ترکیب ایسی کی تھی۔"

"کیسی ترکیب؟" شامی بولا۔ ان کی اس معاملے میں دلچسپی بڑھتی جا رہی تھی۔ جوجی نے اس سوال کے جواب میں بتایا کہ سرمد نے اسے لڑکی کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی ایک اچھی ترکیب بتائی۔ یہ کو ایجوکیشن کالج تھا اور لڑکے لڑکیاں ساتھ پڑھتے تھے۔ کالج میں کلاس کے بعد صوبی لڑکیوں کے واش روم کی طرف جا رہی تھی کہ دو لڑکوں نے اسے گھیر لیا اور تنگ کرنے لگے۔ عین موقع پر جوجی ہیرو بن کر وہاں پہنچ گیا اور اس نے لڑکوں کو مار بھگایا۔ صوبی اس کی احسان مند ہوگئی۔ ان میں بات چیت ہوئی پھر ملاقاتیں ہوئیں اور آخر میں صوبی کو اس سے محبت ہوگئی۔ شامی نے سر پکڑ لیا۔

"یہ فلمی اسٹوری کب تک چلے گی؟ آج کل بھی لڑکیاں اس طرح بے وقوف بن جاتی ہیں؟"

تیمور نے اسے گھورا۔ "میرے بھائی، بات ترکیب کی نہیں ہوتی ہے' اس عمر میں لڑکیاں بے وقوف بننے کی شوقین ہوتی ہیں۔ برخوردار' یہ بتاؤ کہ صرف اسے تم سے محبت ہوئی تھی یا..."

"نہیں جی، مجھے بھی اس سے محبت ہے۔" جوجی نے مضبوط لہجے میں کہا۔ "میں نے ماں جی اور ابّا جی سے بھی کہہ دیا تھا۔"

"پھر کیا ہوا؟"

"ماں جی نے تو دو جوتیاں ماری تھیں، پھر صوبی کے بارے میں پوچھنے لگیں کہ کیسی ہے اور کس خاندان کی ہے۔ پر ابّا جی کو زیادہ ہی غصہ آگیا تھا۔ انہوں نے ڈنڈا اٹھا لیا۔"

"یہ تو ہونا ہی تھا۔" شامی ہنسا۔ "کتنے دن بستر پر پڑے رہے؟"

جوجی ہنسا اور بولا۔ "وہ جی، میں پہلے ہی فرار ہوگیا۔ بعد میں ماں جی نے ابّا جی کا غصہ ٹھنڈا کیا۔ پر ابّا جی نے مجھ سے کہا کہ اب میں اس لڑکی سے ملا تو اچھا نہیں ہوگا۔"

"لیکن ظاہر ہے، تم نے ملنا نہیں چھوڑا ورنہ نوبت یہاں تک کیوں آتی۔" شامی نے کہا۔ "ویسے تم نے کیا شادی کے لیے کہا تھا؟"

"نہیں جی، اتنی جلدی شادی کا کیسے کہہ سکتا تھا؟ ابھی تو میں پڑھ رہا ہوں۔ میں نے تو پسند کی بات کی تھی۔"

"یہ بھی تمہیں اس سرمد نے سکھایا ہوگا؟" تیمور نے کہا۔

"جی وہی مجھے سب بتاتا ہے۔" جوجی نے تصدیق کی۔

شامی اور تیمور نے معنی خیز نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر شامی نے سرمد کے .... بارے میں کئی سوالات کیے۔ ان کو پتا چلا کہ جوجی سرمد کے بارے میں اس کے سوا کچھ نہیں جانتا ہے کہ وہ ایک بہت اچھا اور دوستانہ رویے والا شخص ہے۔ وہ لباس، انداز اور زبان سے بہت مہذب لگتا ہے۔ لیکن وہ کہاں رہتا ہے؟ کیا کرتا ہے؟ اور اس سے کیوں ملتا ہے؟ جوجی کو کچھ معلوم نہیں تھا۔ تیمور شامی کو اس سے ذرا دور لے گیا۔ "مجھے لگ رہا ہے کہ سرمد نامی شخص اسے بے وقوف بنا رہا ہے۔"

"تجھے لگ رہا ہے جبکہ مجھے یقین ہے وہ اسے بے وقوف بنا رہا ہے۔ مگر ابھی بہت کچھ معلوم کرنا ہے۔ ابھی اس کی کہانی مکمل نہیں ہوئی ہے۔"

وہ اس کے پاس واپس آئے۔ چائے پینے کے بعد وہ دل جمعی سے بچے ہوئے کیک پیس صاف کر رہا تھا۔ شامی نے پوچھا۔

"یار! محبت میں تو آدمی کی بھوک مر جاتی ہے اور تم کھائے جا رہے ہو؟"

"اچھا۔" اس نے آخری کیک پیس رکھ دیا۔ "سرمد نے یہ بات تو بتائی ہی نہیں تھی۔"

شامی نے ٹھنڈی سانس لی۔ دادا جان ابھی ان کی نسل کا رونا رو رہے تھے۔ اگر وہ اس نئی پود کو دیکھ لیتے تو نہ جانے کیا کرتے جسے عشق ضرور ہوتا ہے لیکن وہ اس کی مبادیات سے بھی انجان ہے۔ تیمور نے اس کی کہانی کو دوبارہ ٹریک پر لانے کی کوشش کی۔ "ٹھیک ہے، جب تمہارے گھر والوں نے صوبی کو پسند کرنے سے انکار کر دیا تب تم نے کیا کیا؟"

"مجھے کیا کرنا تھا جی، میں صوبی سے ملتا رہا، ابّا جی سے بالکل نہیں ڈرا۔ حالانکہ مجھے معلوم ہے اگر ان کو پتا چل گیا کہ میں صوبی سے ملتا ہوں تو وہ میری ٹانگیں توڑ دیں گے۔"

شامی اور تیمور اس کی ثابت قدمی سے متاثر ہوئے۔ شامی نے پہلی بار اسے اچھی نظر سے دیکھا۔ "تم کہاں ملتے تھے اس سے؟"

"کالج میں۔" اس نے سادگی سے جواب دیا تو ان دونوں نے خود کو سخت بے وقوف محسوس کیا۔ یہ نوجوان اور خود بے وقوف نظر آنے والا لڑکا الٹا ان کو بنا رہا تھا۔ شامی نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"پھر تم نے اور صوبی نے گھر سے بھاگنے کا فیصلہ کیا؟"

"نہیں جی، ہم نے ایسا کوئی فیصلہ نہیں کیا۔ میں نے صوبی کو بتا دیا کہ میرے گھر والے اسے پسند کرنے کو تیار نہیں ہیں۔"

"اور صوبی کے گھر والے؟"

"ان کو تو پتا نہیں ہے، اس کا باپ بھی کم خطرناک نہیں ہے۔"

"تمہیں کیسے پتا چلا کہ اس کا باپ خطرناک ہے؟" تیمور نے پوچھا۔

"صوبی نے خود بتایا ہے جی۔"

"اگر تم دونوں کے ذہن میں یہ خیال نہیں آیا تو گھر سے کیوں بھاگے؟"

"سرمد نے کہا تھا۔ اس نے کہا اگر ہم گھر سے بھاگ جائیں تو ہمارے ماں باپ مجبور ہو جائیں گے اور وہ ہماری شادی پر مان جائیں گے۔"

"گویا یہ سرمد کا پلان تھا۔" شامی نے غور کیا۔ "اس نے تمہیں سمجھایا کہ گھر سے بھاگ جانا ہے لیکن بھاگ کر کہاں جانا ہے؟ ظاہر ہے تمہارے پاس کوئی ٹھکانا تو ہوگا نہیں جہاں چھپ سکو۔"

جوجی نے سر ہلایا۔ "ہاں جی، یہ بھی اسی نے بتایا تھا۔"

"اور تم اتنے احمق تھے کہ اس کی باتوں میں آگئے؟" تیمور نے کہا۔

"میں احمق نہیں ہوں جی۔" جوجی نے بُرا مان کر کہا۔ "سرمد میرا دوست ہے۔"

شامی نے اسے گھورا۔ "دوست کے بچے... اس نے تمہیں مروا دیا ہے۔ اب پولیس تمہیں اور صوبی کو تلاش کر رہی ہوگی۔"

"پولیس!" وہ خوف زدہ ہوگیا۔ "نہیں جی، وہ کیوں تلاش کرنے لگی؟"

"کیونکہ تم گھر سے بھاگے ہوئے ہو۔" شامی نے کہا۔ "ایسے لوگوں کو پولیس تلاش کرتی ہے۔"

"پولیس ہمیں ساری عمر تلاش نہیں کر سکتی۔" جوجی نے اعتماد سے کہا۔ "خطرہ ابّا جی سے ہے۔"

تیمور بولا۔ "او بھائی، ٹھیک ہے تمہارے ابّا جی تمہارے لیے خطرناک ہوں گے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ تمہیں اتنے بڑے شہر میں تلاش بھی کر لیں۔"

"آپ نہیں جانتے جی۔" جوجی فکر مند ہوگیا۔ "وہ کر سکتے ہیں۔ مجھے سب سے زیادہ ڈر ان سے لگ رہا ہے۔"

شامی نے اس کے شانے پر ہاتھ مارا۔ "یار! تمہارے پتا جی کیا رشید بلا ہیں جو تم اتنا ڈر رہے ہو۔"

جوجی بھونچکا رہ گیا۔ خاصی دیر بعد اس نے کہا۔ "آپ کو کیسے پتا چلا؟"

اس بار شامی دنگ رہ گیا۔ اس نے ہڑبڑا کر کہا۔ "کیا... سچ مچ... میں نے تو مذاق میں کہا تھا۔"

"یہ سچ ہے جی۔" جوجی دکھی نظر آنے لگا۔ "مذاق تو میرے ساتھ قدرت نے کیا ہے مجھے ابّا جی کے گھر پیدا کر کے۔"

تیمور بھی حیران تھا۔ "تم رشید بلا کے بیٹے ہو جو نامی گرامی بدمعاش ہے؟"

جوجی مزید دکھی ہوگیا۔ "بس اسی وجہ سے میں اسکول اور کالج میں بھی کسی کو نہیں بتاتا تھا کہ میرے ابّا کون ہیں۔"

"ہاں، لوگ مذاق اڑاتے ہیں۔"

"نہیں جی اتنی جرأت تو کسی میں نہیں تھی۔ جن کو پتا چل جاتا وہ مجھ سے دور بھاگ جاتے تھے۔" جوجی اب رونے کے قریب تھا۔ "اسی وجہ سے میرا کوئی دوست نہیں بنا۔ میں نے صوبی کو بھی نہیں بتایا تھا ورنہ وہ بھی مجھ سے دور ہو جاتی۔"

اس بار شامی تیمور کو ایک طرف لے گیا۔ "دیکھا، میری چھٹی حس ٹھیک اشارے کر رہی تھی۔ ہم ایک بڑی مصیبت کو اٹھا لائے ہیں۔ اس سے جتنی جلدی چھٹکارا حاصل کر لیں، اتنا اچھا ہے۔"

"تُو رشید بلا سے ڈر رہا ہے؟"

"یار! ایسے لوگوں سے ڈرنا چاہیے۔" شامی نے حقیقت پسندی سے کہا۔ "سانپ، بچھو اور مگر مچھ سے سب کو ڈرنا چاہیے لیکن اصل مسئلہ دادا جان کا ہے۔ اگر ان کو پتا چل گیا تو تو سوچ سکتا ہے کہ ہمارے ساتھ کیا ہو سکتا ہے۔"

تیمور بھی متفکر ہو گیا۔ اب اسے بھی محسوس ہو رہا تھا کہ اس نے اس نوجوان کو یہاں لا کر غلطی کی ہے۔ جوجی ناشتے کے بعد نہایت پُرامید نظروں سے ان کی طرف دیکھ رہا تھا کہ کھانے پینے کے بعد وہ اس کے باقی مسائل بھی حل کر دیں گے۔ مگر تیمور کو تجسس بھی تھا۔ "یار! اس نے ابھی پوری کہانی نہیں سنائی ہے۔"

"او بھائی، کہانی کے چکر میں یہ اسٹوری ہمارے گلے نہ پڑ جائے۔ پتا ہے کل شام رشید بلا کا اپنے حریف اکرم موجی سے خوں ریز تصادم ہوا ہے جس میں دو بے گناہ لوگ مارے گئے۔ یہ تصادم شاید اسی کے مسئلے پر ہوا ہے۔ لڑکا گھر سے غائب ہے اور اس کا باپ سمجھ رہا ہے کہ مخالف نے غائب کر دیا ہے۔ اگر ہم نے اس سے چھٹکارا نہ پایا تو ممکن ہے مارے جانے والوں میں دو بے گناہوں کا اور اضافہ ہو جائے۔"

شامی کے تجزیے نے تیمور کو مزید متفکر کر دیا تھا۔ "تُو ٹھیک کہہ رہا ہے۔ چل اس کی کہانی سن کر اسے کہیں چھوڑ آتے ہیں۔"

شامی کہانی سننے کے موڈ میں نہیں تھا لیکن تیمور کی وجہ سے مجبور ہو گیا۔ ویسے بھی جوجی کو تیمور ہی لایا تھا اس لیے مرضی اس کی چل رہی تھی۔ وہ واپس آئے تو جوجی نے کہا۔ "آپ میرے ابا کا نام سن کر ڈر گئے ہیں نا؟"

شامی کو غصہ آ گیا۔ "دیکھو برخوردار! ہم ایک شریف خاندان سے ہیں اور کسی بدمعاش کے منہ نہیں لگتے لیکن ڈرتے کسی سے نہیں ہیں۔"

خلافِ توقع نوجوان خوش ہو گیا۔ "مجھے بھی یہی توقع تھی جی... یعنی آپ میری مدد کرو گے؟"

اس پر تیمور نے نہایت غضبناک نظروں سے شامی کو گھورا جس کا نوابی خون غلط وقت پر جوش میں آیا تھا اور نوجوان ان سے توقع لگا کر بیٹھ گیا تھا۔ اس نے چالاکی سے کہا۔ "یار! تم پہلے اپنی کہانی تو مکمل کرو تاکہ ہم فیصلہ کر سکیں کہ تمہاری مدد کریں یا نہ کریں۔"

اس نے سر ہلایا اور اپنی کہانی وہاں سے شروع کی جہاں سے چھوڑی تھی۔ جوجی نے ایک بار بات کر کے اپنے خطرناک باپ کا ردِعمل دیکھ لیا تھا اس لیے اس نے دوسری بار حماقت نہیں کی اور اپنے ہمدرد سرمد سے مشورہ کیا۔ اس نے کلاسیک مشورہ دیا یعنی صوبی کو تیار کر کے گھر سے بھاگ جاؤ۔ لیکن اس سے پہلے اس کی پوری تیاری کر لو کیونکہ اگر وہ بغیر سوچے سمجھے بھاگا تو فوراً اپنے باپ کے ہتھے چڑھ جائے گا جو اس کی تلاش میں زمین آسمان ایک کر دے گا اور اس کے پاس بدمعاشوں کی کمی نہیں تھی جو شہر میں کسی کو بھی تلاش کر سکتے تھے۔ جوجی صوبی سے یہ بات کرتے ہوئے ہچکچا رہا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ نہیں مانے گی لیکن جب اس نے بات کی تو صوبی حیرت انگیز طور پر فوراً مان گئی۔ اس نے جوجی سے کہا۔

"میرے بابا بھی کبھی نہیں مانیں گے، وہ بہت سخت ہیں۔ بس یہی ایک طریقہ ہے کہ ہم گھر سے بھاگ جائیں۔"

"تو تم میرے ساتھ گھر سے بھاگنے کے لیے تیار ہو؟"

"ہاں ہم شادی کر سکتے ہیں اور کہیں چھپ کر رہ سکتے ہیں۔" صوبی نے جوش سے کہا۔ کم عمری کے رومان نے اسے سوچنے کی مہلت ہی نہیں دی کہ گھر سے بھاگ کر وہ کہاں رہیں گے اور زندگی کیسے گزاریں گے؟ جوجی خوش ہو گیا کہ صوبی اتنی آسانی سے مان گئی ہے۔ اس نے سرمد کو بتایا، اس نے جوجی کو پلان تیار کر کے دیا۔ اس کا مرکزی نکتہ یہ تھا کہ انہیں گھر سے بھاگنے سے پہلے جتنا ہو سکے، مال و دولت سمیٹ لینا چاہیے۔ جوجی کے گھر میں اس کی کمی نہیں تھی اور صوبی بھی دولت مند گھرانے سے تعلق رکھتی تھی۔ سرمد کا پلان جوجی نے اسے بھی سمجھایا۔ صوبی مان گئی۔ انہوں نے منصوبے پر عمل کرنا شروع کر دیا۔ جوجی کے گھر میں رقم کی کمی نہیں تھی کیونکہ دیگر مجرموں کی طرح رشید بلا بھی بینک کا قائل نہیں تھا اور دولت کو نقد یا دوسری قیمتی شکلوں میں رکھا کرتا تھا۔ اس نے بلاشبہ کروڑوں روپے اور سیروں کے حساب سے سونا اور دیگر قیمتی چیزیں گھر میں رکھی ہوئی تھیں۔

لیکن یہ سب رشید بلا نے تجوری میں رکھا ہوا تھا اور اس کا نمبر صرف اسے یا جوجی کی ماں کے علم میں تھا۔ باقی الماریوں میں بھی خاصی رقم ہوتی تھی۔ ماں باپ کی طرف سے جوجی پر کوئی پابندی نہیں تھی۔ وہ جتنی چاہے رقم لے سکتا تھا۔ اس لیے اس نے دل کھول کر رقم لینا شروع کر دی اور یہ سب جمع کرتا رہا۔ دوسری طرف صوبی بھی رقم جمع کر رہی تھی اور وہ جو رقم چراتی، لا کر اگلے دن اسے جوجی کے حوالے کر دیتی تھی۔ انہوں نے فرار سے دو مہینے پہلے یہ کام شروع کر دیا تھا۔ شامی نے پوچھا۔

"تم دونوں نے مل کر کتنی رقم ماری؟"

"پتا نہیں جی، شاید دس لاکھ سے اوپر ہو گی۔ ویسے صحیح

حساب سرمد کو پتا ہو گا۔"

"سرمد کو... کیا رقم اس کے پاس ہے؟"

"ہاں کیونکہ میں کہاں رکھتا... گھر میں تو ابا پکڑ لیتے۔" جوجی نے کہا۔ "صوبی جو زیور لائی تھی، وہ بھی سرمد کے پاس ہے۔"

شامی کا دل چاہا کہ سر پیٹ لے لیکن پھر اس نے ارادہ ملتوی کر دیا اور سرد آہ بھر کر پوچھا۔ "خود سرمد کہاں ہے؟"

"فلیٹ میں۔" جوجی بولا۔

"کون سے فلیٹ میں؟"

"جہاں میں اور صوبی بھاگ کر رکے ہیں۔ وہیں سے تو میں ناشتا لینے نکلا تھا تو دو آدمی مجھے پکڑ کر لے گئے۔ مگر میں بہت چالاک ہوں، راستے میں بھاگ نکلا۔"

شامی اور تیمور اس چالاک نوجوان کی عقل پر رشک کر رہے تھے۔ رشید بلا جیسے شاطر آدمی کی اولاد عقل سے اتنی پیدل نکلے گی، یہ تو خود رشید بلا نے بھی نہیں سوچا ہو گا۔ گزشتہ دن دونوں گھر سے کالج پہنچے مگر اندر جانے کے بجائے وہاں سے سیدھے اس فلیٹ پر پہنچے جو راولپنڈی کی ایک پرانی آبادی میں سرمد نے لیا تھا۔ اس نے جوجی کو فلیٹ دکھایا تھا۔ رقم وہ پہلے ہی اسے دے چکے تھے پھر صوبی اپنی ماں کا سارا زیور بھی لے آئی تھی اور یہ بھی اچھا خاصا تھا۔ ظاہر ہے وزن تو صوبی کو بھی نہیں پتا تھا۔ جوجی کا اندازہ تھا کہ زیور کا وزن ایک کلوگرام سے زیادہ ہی تھا۔ فلیٹ پر پہنچنے کے بعد سرمد نے یہ زیور بھی اپنے قبضے میں لے لیا اور ان لوگوں کو چھوڑ کر اسے حفاظت سے رکھنے کہیں چلا گیا۔ اس کا کہنا تھا کہ یہ جگہ محفوظ نہیں۔

تیمور نے ٹھنڈی سانس لی۔ "پھر وہ واپس نہیں آیا ہو گا؟"

"جب بہت دیر تک نہیں آیا تو مجھے بھی یہی خیال آیا تھا۔" جوجی نے سر ہلایا۔ "لیکن وہ شام کو آ گیا تھا۔ رات کو فلیٹ میں رکا۔ ایک کمرے میں، میں اور سرمد تھے، دوسرے میں صوبی تھی۔ سرمد نے کہا کہ کل وہ ہمیں ایک اور جگہ لے جائے گا جہاں ہمارا نکاح ہو گا۔"

تیمور نے خفت سے کہا۔ "اچھا، میں تو سمجھا تھا وہ زیور لے کر نو دو گیارہ ہو جائے گا۔"

"زیور ہی کوئی پچاس لاکھ کا تو ہو گا۔" شامی نے کہا۔ "یہ بتاؤ کہ یہ شخص کس حیثیت کا ہے؟ مطلب امیر ہے، غریب ہے یا درمیان کا ہے؟"

"پتا نہیں جی لیکن کپڑے اچھے پہنتا ہے اور اس کے پاس پرانی گاڑی بھی ہے۔"

"تب وہ درمیانہ قسم کا شخص ہوا۔ اس کے لیے ساٹھ لاکھ بڑی رقم ہو گی۔" شامی نے پُرخیال انداز میں کہا۔ "میرا خیال ہے کہ اب وہ تمہیں فلیٹ میں نہیں ملے گا۔"

اچانک تیمور چونکا۔ اس نے جوجی سے پوچھا۔ "ناشتا لینے تم نکلے تھے یا اس نے تمہیں بھیجا تھا؟"

"اس نے بھیجا تھا۔" جوجی بولا۔ "اس کے پاؤں میں کچھ تکلیف تھی۔"

"اور باہر نکلتے ہی ان لوگوں نے تمہیں پکڑ لیا؟"

"جی... جب وہ مجھے لے جا رہے تھے تو ایک کہہ رہا تھا، کسی نے ان کے استاد کو فون کر کے میرے بارے میں بتایا ہے۔"

تیمور شامی کو پھر ایک طرف لے گیا۔ "یہ کوئی اور چکر لگ رہا ہے۔"

"سامنے کی بات ہے، سرمد فراڈ ہے۔ اس نے ان دونوں کو بے وقوف بنایا ہے۔"

"میں فراڈ کی بات نہیں کر رہا ہوں۔ وہ شخص کسی اور چکر میں بھی ہے۔" تیمور نے کہا۔ "مجھے شک ہے کہ اسی نے جوجی کے بارے میں ان لوگوں کو اطلاع کی ہو گی۔"

"ممکن ہے وہ رشید بلا کے ساتھی ہوں۔"

"یار! کیا تم عقل کہیں بھول آئے ہو۔ اگر وہ اس کے باپ کے ساتھی ہوتے تو اسے پستول دکھا کر کیوں لے جاتے؟ وہ کسی استاد کے بچے ہیں اور وہ تو اس کی زبان کھلوانے کی بات کر رہے تھے۔"

"تب وہ کون ہو سکتے ہیں؟"

"ممکن ہے لڑکی سے تعلق ہو۔" تیمور نے کہا۔ "لڑکی بھی تو اپنے باپ سے ڈر رہی تھی۔"

"او بھائی، ضروری نہیں ہے لڑکی بھی کسی بدمعاش فیملی کی ہو۔ اور اس قسم کے کام کرنے والی تمام لڑکیاں اپنے باپوں سے ڈرتی ہیں۔"

"ممکن ہے لیکن یہ شخص سرمد ضرور چکر باز ہے۔ میرا دعویٰ ہے، اب جوجی اس فلیٹ میں جائے گا تو اسے وہاں سرمد نہیں ملے گا بلکہ صوبی بھی نہیں ملے گی۔"

شامی چونکا۔ "تیرا مطلب ہے وہ صوبی کو بھی لے جائے گا؟"

"بالکل، وہ شخص صرف رقم کے چکر میں نہیں رہا ہو گا۔ رشید بلا جیسے آدمی کے بیٹے کو لوٹنے والے کے پاس بڑا دل گردہ ہونا چاہیے۔ میرا اندازہ ہے کہ صرف دولت کا چکر نہیں

ہے۔"

"لڑکی کو لے جا کر اس نے کیا کرنا ہے؟"

"یار! لوگ لڑکیوں کا کیا کرتے ہیں۔ اور یہ شخص تو ویسے بھی مشکوک لگ رہا ہے۔ ممکن ہے اس بے چاری کو لے جا کر کہیں بیچ دے۔"

شامی نے سوچا اور پھر جوجی کی طرف دیکھا۔ "ٹھیک ہے جو ہمیں معلوم کرنا تھا وہ ہم نے کرلیا۔ اب اسے کہیں چھوڑ کر آتے ہیں۔"

تیمور سوچ رہا تھا پھر اس نے ہچکچا کر کہا۔ "یار! کیا یہ مناسب ہوگا؟"

"بالکل مناسب ہوگا۔" شامی نے کہا۔ "اس کیس میں خطرہ ہی خطرہ ہے۔ ہمارا اس میں شامل ہونا کسی طور مناسب نہیں ہوگا۔"

تیمور نے شامی کو گھورا۔ "شامی! اگر اس کی جگہ کوئی لڑکی ہوتی تو تب بھی تیرا یہی جواب ہوتا؟"

"مجھے جذباتی بلیک میل نہ کر، یہ بتا کیا تُو اس کی مدد کرنا چاہتا ہے؟"

"ہاں، مجھے اچھا نہیں لگ رہا کہ اس بے چارے کو یوں آس دلا کر بے سہارا چھوڑ دیا جائے۔ پھر اس سے ہماری ساکھ پر بھی بُرا اثر پڑے گا۔"

"کون سی ساکھ؟" شامی نے بے خیالی میں پوچھا۔

"وہی جو ہماری کہانیاں پڑھ کر لوگوں میں بن چکی ہے۔"

"مگر ساکھ کے لیے اتنا بڑا خطرہ مول لینا ٹھیک ہوگا؟ تم جانتے ہو، دادا جان یہ بدمعاش ٹائپ کی چیزیں پسند نہیں کرتے ہیں۔ اس لیے ہمیں بھی ان سے دور رہنا چاہیے۔"

"ٹھیک ہے لیکن جوجی بدمعاش نہیں ہے، اس کا باپ بدمعاش ہے۔"

"اس کا باپ ہی تو اصل مسئلہ ہے۔" شامی بولا۔ "لیکن پہلے اس سے کچھ گفتگو کرلی جائے۔"

وہ واپس آئے تو جوجی فکر مند تھا، اس نے کہا۔ "لگتا ہے آپ میری مدد نہیں کرنا چاہتے؟"

"تم کس قسم کی مدد چاہتے ہو برخوردار؟" شامی نے ملائمت سے پوچھا۔ "ہم تمہارا نکاح نہیں پڑھا سکتے اور نہ ہی تمہیں یہاں پناہ دے سکتے ہیں۔"

جوجی نے دونوں ہاتھ ملے اور پھر بولا۔ "وہ جی، مجھے اپنی غلطی کا احساس ہو رہا ہے۔ ہمیں اس طرح گھر سے بھاگنا نہیں چاہیے تھا۔ اب مجھے خیال آرہا ہے کہ ابّا جی ہمیں کسی صورت نہیں چھوڑیں گے۔"

"تمہارا خیال ہے کہ جو لوگ تمہیں پکڑ کر لے جا رہے تھے وہ تمہارے ابّا جی کے آدمی تھے؟" تیمور نے پوچھا۔

"نہیں جی، ابّا جی کے تمام آدمی میں نے دیکھے ہوئے ہیں اور سب مجھے پہچانتے ہیں۔ کوئی مجھے اس طرح گن پوائنٹ پر نہیں لے جا سکتا۔ ابّا جی بعد میں اس کی کھال اتار دیتے۔"

"پھر وہ کون ہو سکتے ہیں؟"

"میں نہیں جانتا۔" جوجی نے بے چینی سے کہا۔ "پلیز اگر آپ میرے لیے کچھ نہیں کر سکتے تو مجھے واپس اسی جگہ چھوڑ دیں۔ مجھے صوبی کے پاس واپس جانا ہے۔"

"وہی تو ہم جاننا چاہتے ہیں کہ تمہارے لیے کیا کر سکتے ہیں؟"

اس نے ہچکچا کر کہا۔ "کسی طرح مجھے اور صوبی کو واپس گھر پہنچا دیں کہ ہمارے ماں باپ ہمیں کچھ نہ کہیں۔"

"یار! اس معاملے میں تو ہم اپنے ماں باپ کی گارنٹی نہیں دے سکتے۔ تمہارے ماں باپ کی کہاں سے دیں؟" شامی ہنسا۔

"دوسرے تمہیں یقین ہے کہ جب تم واپس جاؤ گے تو صوبی وہاں موجود ہوگی؟" تیمور نے پوچھا۔

جوجی اچھل پڑا۔ "کیا مطلب جی؟"

"بات یہ ہے برخوردار۔" شامی نے کہا۔ "مجھے سرمد فراڈ لگ رہا ہے۔ اس نے تمہیں کسی مقصد کے لیے استعمال کیا ہے۔ اگر اسے صرف رقم کی ضرورت ہوتی تو وہ نکل جانے کے بعد واپس ہی نہ آتا۔ وہ یقیناً لڑکی کے چکر میں واپس آیا ہوگا اور آج اس نے تمہارا پتا بھی صاف کرنے کی کوشش کی لیکن تم بچ نکلے۔ مگر لڑکی کو وہ لے جا چکا ہوگا۔"

"مم... مجھے جانا ہوگا۔" جوجی بے چین ہو گیا، وہ دروازے کی طرف بڑھا تو تیمور نے اس کا بازو پکڑ لیا۔

"اتنی جلدی کیا ہے برخوردار، میں بھی تمہارے ساتھ چل رہا ہوں۔" تیمور نے کہتے ہوئے شامی کی طرف دیکھا تو اس نے بادل ناخواستہ سر ہلایا۔

"میں بھی چل رہا ہوں لیکن کوئی مسئلہ ہوا تو وہ تیرے ذمے ہوگا۔"

"ٹھیک ہے۔" تیمور خوش ہو گیا۔ جوجی ان کے ساتھ چلنے کا سن کر خوش ہو گیا تھا لیکن صوبی کے حوالے سے اس کی فکر کم نہیں ہوئی تھی۔ اس نے غالباً اس معاملے میں اپنا دماغ استعمال کرنے کے بجائے وہی کیا تھا جو سرمد اسے سمجھاتا آیا

تھا۔ شاید اپنے باپ کی وجہ سے وہ تنہا زندگی بسر کرتا آیا تھا۔ اس کا کوئی دوست نہیں تھا اور اسے گھر سے باہر کے لوگوں کا کوئی تجربہ نہیں تھا۔ ماں باپ اور گھر والوں پر اعتماد کرنے کی وجہ سے دوسروں پر اعتماد کرنا اس کی فطرت میں شامل ہو گیا تھا۔ اسی وجہ سے وہ بڑی آسانی سے سرمد کی باتوں میں آگیا تھا۔ لیکن اب اس کی سمجھ کام کرنے لگی اس لیے وہ واپس جانے کی بات کر رہا تھا۔

تیمور اور شامی اس کے ساتھ روانہ ہوئے۔ ولا میں موجود واحد مقامی کاران کے استعمال میں رہتی تھی کیونکہ نواب صاحب اپنی غیر ملکی لگژری گاڑیوں کے معاملے میں بہت حساس تھے۔ ایک فور وہیل تھی لیکن وہ شہر سے باہر یا کسی پہاڑی مقام کی طرف جاتے ہوئے استعمال کی جاتی تھی۔ شامی نے راستے میں جوجی سے سرمد کے بارے میں کئی سوال کیے لیکن اس کے پاس کسی سوال کا جواب نہیں تھا۔ سرمد سے اس کی ملاقاتیں گزشتہ اٹھارہ مہینے سے جاری تھیں لیکن وہ اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا۔ شامی کو بھی لگ رہا تھا کہ تیمور کا اندیشہ درست ہے۔ سرمد نامی یہ شخص کسی اور چکر میں بھی تھا اور شاید اسی وجہ سے وہ صوبی کو بھی لے جا سکتا تھا۔ شامی نے اب دوسرے زاویے سے تفتیش شروع کی۔

"کبھی اس شخص نے تمہارے ابّا جی کے بارے میں بات کی؟"

"جی کئی بار کی۔"

"تمہیں کیا محسوس ہوا کہ وہ انہیں پسند کرتا ہے یا ناپسند کرتا ہے؟"

شامی کے اس سوال پر وہ سوچ میں پڑ گیا پھر اس نے ہچکچا کر کہا۔ "اس نے کبھی کہا تو نہیں لیکن مجھے لگا کہ وہ ابّا جی کو پسند نہیں کرتا ہے۔ ان کے بارے میں بات کرتے ہوئے اس کا لہجہ عجیب سا ہو جاتا تھا۔"

"اس کا تمہارے ابّا جی سے کبھی تعلق رہا ہے؟"

"اس بارے میں مجھے نہیں معلوم۔"

تیمور خاموشی سے ان کی باتیں سن رہا تھا۔ شامی نہایت ذہانت سے سوال کر رہا تھا اس لیے اس نے دخل اندازی کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ لیکن جب وہ اس علاقے کے پاس پہنچے جہاں سے جوجی ان کی کار میں گھسا تھا تو اس نے پوچھا۔

"وہ عمارت کہاں ہے؟"

"یہ اس طرف موڑ لیں جی۔" جوجی نے ایک ذیلی سڑک کی طرف اشارہ کیا۔ کچھ دیر میں وہ اس کی راہنمائی میں ایک ایسی گلی کے سامنے پہنچے جس میں کار نہیں جا سکتی تھی۔

جوجی نے بتایا۔ "یہاں سے کچھ دور پیدل جانا ہوگا۔"

یہ نچلے طبقے کا علاقہ تھا جہاں تنگ گلیاں اور جا بہ جا بہتی ہوئی نالیاں اور گندگی کے ڈھیر تھے۔ گلی سے گزرتے ہوئے جوجی کے تاثرات بتا رہے تھے کہ وہ اس قسم کی بدبو اور گندگی کا عادی نہیں تھا لیکن وہ یہاں آنے پر مجبور ہوا تھا۔ گلی کے کونے پر ایک چار منزلہ عمارت تھی۔ فلیٹ اس کے تیسرے فلور پر تھا۔ جوجی نے بے تابی سے دروازے پر دستک دی لیکن کوئی جواب نہیں آیا۔ جوجی دوبارہ دستک دینے جا رہا تھا کہ شامی نے اسے روک لیا۔ اس نے دروازہ دیکھا تو وہ کھلا ہوا تھا۔ جوجی تیزی سے اندر گھسا۔ فلیٹ دو کمروں پر مشتمل تھا اور اسے دیکھنے میں دس سیکنڈ بھی نہیں لگے۔ فلیٹ خالی تھا جیسا کہ شامی اور تیمور کو توقع تھی۔ جوجی کی تسلی نہیں ہوئی۔ اس نے چھوٹے سے کچن اور باتھ روم میں بھی جھانک لیا۔ وہ بالکونی کی طرف جا رہا تھا کہ تیمور نے اسے روک لیا۔

"بس بھائی، کیا اب خودکشی کا ارادہ ہے۔"

جوجی اب مشتعل ہو رہا تھا۔ "وہ صوبی کو کیسے لے جا سکتا ہے؟"

"یہ تو وہی بتائے گا۔" شامی نے کہا۔ "لیکن وہ کہاں ہو سکتا ہے، تم اس بارے میں کچھ نہیں جانتے۔"

"اس نے اسے دھوکا دیا ہے۔" تیمور نے کہا۔ "اس نے صرف لوٹا نہیں ہے بلکہ وہ لڑکی کو بھی لے گیا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ تم سے کسی بات کا بدلہ بھی لینا چاہتا تھا ورنہ لڑکی کو لے جانے کی کوئی تُک نہیں بنتی ہے۔"

"تم بھول رہے ہو۔" شامی نے مبہم انداز میں کہا۔ "وہ اس کا مصرف نکال سکتا ہے۔"

تیمور نے سوچا اور سر ہلایا۔ "تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" پھر اس نے جوجی کی طرف دیکھا۔ "اب تم کیا کرو گے؟"

"میں اسے قتل کر دوں گا۔" جوجی مشتعل ہو کر بولا۔

"اب تمہارے اندر ابّا جی کا خون بول رہا ہے۔" شامی نے طنز کیا۔ "لیکن قتل کرنے کے لیے اسے تلاش کرنا ضروری ہے۔"

"میں اسے تلاش کر لوں گا۔"

"کیسے؟"

جوجی کے پاس اس کیوں کا کوئی جواب نہیں تھا۔ وہ ایک ناتجربے کار اور جذباتی نوجوان تھا جو اپنی عقل کو کم ہی استعمال کرتا تھا اور اسی وجہ سے اس حال کو پہنچا تھا۔ اس دھچکے نے اس کے حواس اڑا دیے تھے۔ وہ کچھ دیر سوچتا رہا پھر اس نے شامی اور تیمور سے کہا۔ "آپ دونوں میری مدد کریں۔

میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آرہا ہے۔"

تیمور بولا۔ "ہم تمہاری یہ مدد کر سکتے ہیں کہ تمہیں تمہارے گھر پہنچا دیں۔ اس کے بعد تمہارے اباجی معاملہ خود سنبھال لیں گے۔"

اس نے نفی میں سر ہلایا۔ "نہیں، وہ مجھے گھر میں قید کر دیں گے اور صوبی کے لیے کچھ نہیں کریں گے۔"

شامی نے کہا۔ "دوسرا طریقہ یہ ہے کہ تمہیں مقامی پولیس اسٹیشن پہنچا دیں اور تم وہاں سرمد کے خلاف رپورٹ لکھوا دو۔ پولیس اسے اور صوبی کو تلاش کر سکتی ہے۔"

تیمور نے تائید کی۔ "وہ اسے تلاش کر لے گی، خاص طور سے جب پولیس والوں کو پتا چلے گا کہ وہ لڑکی کے ساتھ تقریباً ساٹھ لاکھ روپے بھی لے گیا ہے۔"

"پولیس اسے تلاش نہیں کر سکتی۔" جوجی نے نفی میں سر ہلایا۔ "اب مجھے احساس ہو رہا ہے کہ وہ بہت چالاک آدمی ہے۔"

شامی نے کہا۔ "وہ بہت چالاک نہیں، تم بہت بے وقوف ہو اس لیے بن گئے۔"

جوجی کا چہرہ سُت گیا اور ذرا سی دیر میں وہ کئی دن کا بیمار لگنے لگا۔ اس کی حالت دیکھ کر شامی اور تیمور اس سے ہمدردی محسوس کرنے لگے۔ حالانکہ دونوں نے اسے اچھی خاصی سنائی بھی تھیں۔ پھر ان کو اس لڑکی کا بھی خیال آرہا تھا جو گھر سے بھاگی تو جوجی کے لیے تھی لیکن ایک غلط آدمی کے ہتھے چڑھ گئی تھی اور نہ جانے اس کے ساتھ کیا ہوا تھا؟ فلیٹ میں کچھ نہیں تھا۔ سوائے معمولی سے فرنیچر کے اور ایسی کوئی چیز نہیں تھی جس سے سرمد کی شخصیت پر کوئی روشنی پڑتی۔ وہ لوگ باہر آئے۔ شامی نے برابر والے فلیٹ کا دروازہ بجایا تو ایک تیز طرار سی عورت نے دروازہ کھولا۔

"کیا ہے؟"

"باجی ہمیں اس برابر والے فلیٹ کے آدمی کے بارے میں پوچھنا ہے، وہ یہاں نہیں ہے۔" شامی نے کہا۔

عورت نے بے رخی سے کہا۔ "اگر نہیں ہے تو مجھے کیا معلوم؟"

"آپ پڑوس میں رہتی ہیں اور یقیناً آپ نے اسے آتے جاتے دیکھا ہوگا۔ ماشاءاللہ صورت سے ہی آپ ذہین لگ رہی ہیں۔" شامی نے چرب زبانی کا مظاہرہ کیا۔ عورت خوش ہوگئی۔

"ہاں، کچھ دیر پہلے وہ یوں گیا جیسے یہاں پولیس آنے والی ہو۔ اس کے ساتھ کوئی لڑکی بھی تھی۔"

"کتنی دیر ہوئی ہے؟" شامی نے پوچھا۔

"کوئی گھنٹا بھر ہوگیا ہے۔" عورت نے کہا۔

"آپ جانتی ہیں وہ کب سے یہاں ہے؟"

"یہ تو مجھے نہیں معلوم، میں اسے دو دن سے دیکھ رہی ہوں۔ اس کے بارے میں شیخ صاحب ہی بتا سکتے ہیں۔ وہ اس فلیٹ کے مالک ہیں۔"

"شیخ صاحب کہاں ملیں گے؟"

"اسی بلڈنگ میں سب سے نیچے ان کا فلیٹ بھی ہے۔ لال رنگ کے دروازے والا۔ نام افضل حسین ہے۔ میری ہانڈی جل رہی ہے۔" عورت نے کہا اور دروازہ بند کر لیا۔

شامی اور تیمور نے شکر ادا کیا کہ اُس نے ان سے ان کے بارے میں نہیں پوچھا ورنہ ان کو بہت سارے جھوٹ بولنا پڑتے۔ نیچے آتے ہوئے شامی نے کہا۔

"یہ شیخ اتنی آسانی سے اس کے بارے میں نہیں بتائے گا۔ اس کے لیے ترکیب اختیار کرنا ہوگی۔"

"کیسی ترکیب؟" تیمور نے پوچھا۔

شامی نے سوچا اور جوجی سے کہا۔ "تم اداکاری کر لیتے ہو؟ آخر محبت بھی تو کی ہے۔"

"اداکاری... وہ کیوں جی؟"

"سوال نہیں، جیسا کہتا ہوں ویسا کرتے جاؤ۔ تمہیں ایسی اداکاری کرنی ہے جیسے ہم کسی ایجنسی کے لوگ ہیں اور تمہیں پکڑ کر لائے ہیں اور تمہارے باقی ساتھیوں کی تلاش میں ہیں۔"

"میں سمجھ گیا جناب۔" اس نے مستعدی سے کہا۔

کچھ دیر بعد وہ شیخ کے فلیٹ کا دروازہ بجا رہے تھے۔ شیخ خود باہر آیا۔ وہ ادھیڑ عمر کا موٹی توند والا شخص تھا۔ اس نے انہیں دیکھا۔ "جی فرمائیں۔"

"شیخ افضل حسین تم ہو؟" شامی نے اسے گھورتے ہوئے سخت لہجے میں کہا۔ تیمور جوجی کو کلائی سے پکڑے کھڑا تھا۔

"جی میں ہی ہوں۔" وہ شامی کے انداز سے دب گیا۔

"اسے پہچانتے ہو؟" شامی نے جوجی کی طرف اشارہ کیا۔

"جی نہیں۔" شیخ نے حیرت سے کہا۔ "یہ کون ہے؟"

"یہ اس شخص کا ساتھی ہے جسے تم نے فلیٹ کرائے پر دیا ہوا ہے۔"

وہ چونکا۔ "کون سا فلیٹ جناب؟... اس بلڈنگ میں میرے چار فلیٹ ہیں۔" اس نے دریافت کیا۔

"جو تیسرے فلور پر ہے۔" شامی نے کہا۔ "شیخ! یہ معاملہ بہت سنگین ہے۔ تم جانتے ہو آج کل حالات کیسے ہیں۔ تم نے اس شخص کے بارے میں جانے بغیر اسے فلیٹ کیسے دے دیا؟"

اس بار افضل حسین کا رنگ اڑ گیا۔ وہ ذہین شخص تھا، اسے شامی کی بات سمجھنے میں دیر نہیں لگی تھی۔ "کک... کیا ہوا ہے جناب؟"

"تمہیں ہمارے ساتھ چلنا ہوگا۔" تیمور نے کہا۔

"سس... ساتھ کیوں جناب؟ جو پوچھنا ہے یہیں پوچھ لیں اور میں شفقت کو اچھی طرح جانتا ہوں۔"

"شفقت کون ہے؟" شامی نے پوچھا۔

"جسے میں نے فلیٹ کرائے پر دیا ہے۔ میرا پرانا جاننے والا ہے۔"

شامی نے شفقت کا حلیہ معلوم کیا اور شیخ نے جو حلیہ بتایا جوجی نے سر ہلا کر اس کی تصدیق کی کہ یہی سرمد ہے۔ شامی نے کہا۔ "اس کا مطلب ہے وہ نام بدل کر کارروائی کر رہا ہے۔"

"جناب! اس نے کیا کیا ہے؟"

شامی نے محسوس کیا کہ آس پاس کے فلیٹوں میں ہلچل ہونے لگی تھی اور لوگ اپنے دروازوں سے کان لگائے کھڑے تھے۔ ایک تو جھانک بھی رہا تھا، اس نے شیخ افضل حسین سے کہا۔ "میرا خیال ہے ہمیں اندر بیٹھ کر بات کرنی چاہیے۔"

خود شیخ بھی یہی چاہتا تھا۔ وہ انہیں اندر لے آیا۔

"معاملہ کیا ہے جناب؟ میں ایک شریف آدمی ہوں۔"

"تم شریف ہو لیکن شفقت شریف نہیں ہے۔ پھر بھی تم نے اسے فلیٹ کرائے پر دے دیا۔"

شیخ بوکھلا گیا۔ "میں جانتا ہوں جناب لیکن اتنے عرصے بعد وہ ملا تو اس کا حلیہ اور انداز بالکل بدلا ہوا تھا۔ اس نے کہا کہ وہ شریف ہوگیا ہے۔"

"حالانکہ وہ کبھی شریف نہیں رہا۔"

"میں جانتا ہوں جی، وہ پہلے اکرم موجی کے ساتھ تھا۔ اپنے باپ کے مارے جانے کے بعد وہ کام کرنے لگا تھا لیکن پھر وہ اسے چھوڑ کر چلا گیا۔" شیخ افضل حسین شفقت یا سرمد کے بارے میں بتا رہا تھا۔ "دس سال سے اس کا کچھ نہیں پتا تھا پھر وہ میرے پاس آیا۔ اس نے بتایا کہ اب وہ شرافت کی زندگی گزار رہا ہے اور ایک کمپنی میں ملازمت کر رہا ہے۔ اسے رہائش کی ضرورت ہے۔"

یہ ایک اور نئی بات تھی۔ اب اس معاملے میں اکرم موجی بھی آگیا تھا۔ شفقت یا سرمد اس کے لیے کام کرتا رہا تھا جبکہ وہ جوجی کے بارے میں اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ رشید بلا کا بیٹا ہے۔ "اس کا باپ کیسے مارا گیا تھا؟"

"اکرم موجی کی رشید بلا سے لگتی ہے۔ ان کی آپس کی لڑائی ہوئی اور اس میں شفقت کا باپ مارا گیا۔"

"شفقت پڑھا لکھا ہے؟"

"میرا خیال ہے اسکول تک تو پڑھا ہوا ہے۔ پھر کالج جانے سے پہلے وہ اکرم کے لیے کام کرنے لگا تھا۔" شیخ افضل نے سوچ کر کہا۔ "لیکن کیا وہ کسی چکر میں ہے؟"

"ہاں، اس کا تعلق ایک دہشت گرد گروہ سے ہے۔" شامی نے کہا تو شیخ افضل کا رہا سہا رنگ بھی اڑ گیا۔ "ہم خاصے عرصے سے اس کے پیچھے ہیں۔ اب نظر میں آیا ہے۔"

"لل... لیکن جناب اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے۔"

"ہم نے اس کے ساتھی کو گرفتار کر لیا ہے۔" شامی نے جوجی کی طرف اشارہ کیا۔ "اس کی نشان دہی پر یہاں چھاپا مارا لیکن وہ اپنی ساتھی لڑکی کے ساتھ فرار ہو چکا ہے۔"

"اگر وہ فرار ہو چکا ہے تو میں اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا جناب۔ میں بال بچوں والا آدمی ہوں۔"

"اسی وجہ سے تم سے یہاں بیٹھ کر بات کر رہے ہیں ورنہ اس وقت تم کسی نامعلوم جگہ الٹے لٹکے میرے سوالوں کے جواب دے رہے ہوتے۔" شامی نے اسے دھمکانے کا سلسلہ جاری رکھا۔ "ٹھیک ہے، تمہیں نہیں معلوم کہ وہ کہاں گیا ہے لیکن اتنے عرصے میں تم اس کے بارے میں بہت کچھ جان گئے ہو گے؟"

شیخ افضل نے سوچا۔ "اس نے دو ہفتے پہلے یہ فلیٹ مجھ سے کرائے پر لیا تھا۔"

"اس کے پاس گاڑی بھی ہے؟"

شیخ افضل نے نفی میں سر ہلایا۔ "میں نے کبھی اسے گاڑی میں آتے جاتے نہیں دیکھا۔ وہ پیدل آتا تھا یا ٹیکسی، رکشے میں۔" اس نے جوجی کی طرف دیکھا۔ "اس نے آپ کو کچھ نہیں بتایا؟"

"اسے چھوڑو... یہ اس کا ساتھی ہے۔ اس کی بات پر اعتبار نہیں کر سکتے اس لیے تم سے پوچھ رہے ہیں۔ اس دوران میں اس سے کوئی ملنے کے لیے آیا؟"

شیخ افضل سوچ میں پڑ گیا پھر اس نے چونک کر کہا۔ "کوئی اور تو نہیں مگر رفیق مستری آیا تھا ایک دن اس کا پوچھتے ہوئے۔"

"رفیق مستری کون ہے؟"

"جی ادھر سڑک پر اس کی ورکشاپ ہے۔ میں گھر پر نہیں تھا، میری گھر والی سے پوچھا تھا اس نے۔ اس نے بعد میں بتایا لیکن میرے ذہن سے نکل گیا۔ ابھی آپ نے پوچھا ہے تو یاد آیا ہے۔"

"شفقت کے بارے میں؟"

"جی جناب... میں ہوتا تو معلوم کرتا کہ وہ اس سے کیوں ملنا چاہتا ہے۔"

شامی کے خیال میں اتنی معلومات کافی تھیں۔ وہ کون سا سچ مچ کسی ایجنسی سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ بھی کافی تھا کہ اس کا اصل نام معلوم ہو گیا تھا اور کسی رفیق مستری سے اس کا تعلق نکل آیا تھا۔ وہاں سے روانہ ہونے سے پہلے شامی نے شیخ افضل کو وارننگ دی۔ "یہاں جو گفتگو ہوئی ہے وہ یہیں تک محدود رہے کیونکہ شفقت جلد یا دیر سے ہمارے قابو میں آجائے گا۔ اور اگر تمہاری کسی بات میں تضاد نکلا تو تم بھی اس کے ساتھ ہو گے۔ ہم اپنے قیدیوں کو کس طرح رکھتے ہیں، یہ تم جلد دیکھ لو گے۔"

"میں نے کوئی غلط بیانی نہیں کی ہے جناب۔" شیخ گڑگڑایا۔ "میں اپنے بچوں کی قسم کھاتا ہوں۔"

وہ باہر نکلے اور کار تک آئے۔ تیمور نے اندر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "اب اس رفیق مستری کو دیکھنا پڑے گا؟"

"ہاں، شفقت اور صوبی تک پہنچنے کا یہی ایک واحد راستہ نظر آیا ہے۔" شامی نے انجن اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔

☆☆☆

صاحبہ بڑی پیاری سی لڑکی تھی۔ تیکھے نین نقش والی، پتلے سے ہونٹ اور بڑی آنکھیں۔ اس کی رنگت گلابی تھی اور مجموعی طور پر وہ بہت دل کش لگتی تھی۔ لیکن اس کے سر میں اتنی ہی عقل تھی جتنی اس عمر کی لڑکیوں کے سر میں پائی جاتی ہے، خاص طور سے لڑکوں کے بارے میں۔ اسے سرمد اچھا لگا۔ پھر یہ اچھا لگنا محبت میں بدل گیا اور وہ اس کے ساتھ گھر سے بھاگنے پر تیار ہو گئی۔ اسے معلوم تھا کہ اس کا باپ کبھی نہیں مانے گا بلکہ اسے شبہ بھی ہو جاتا کہ صاحبہ گھر سے بھاگنے کا سوچ رہی ہے تو وہ اس کی ٹانگیں توڑ دیتا۔ اس لیے صاحبہ نے گھر سے بھاگنے کے منصوبے پر بڑی احتیاط سے عمل کیا۔ اس نے ماں باپ کو شک کا موقع دیے بغیر رقم چوری کی اور اپنی ماں کا زیور نظر میں رکھ لیا تھا۔ جس دن اسے گھر سے فرار ہونا تھا، اس نے صبح اٹھ کر ماں کا زیور اپنے کالج بیگ میں رکھا اور وقت پر کالج روانہ ہو گئی لیکن وہ کالج نہیں گئی۔ جوجی باہر اس کا منتظر تھا۔ وہ اسے لے کر اس فلیٹ تک آیا جو ایک گندی غلیظ گلی میں تھا۔ اس وقت صوبی کو سرمد کے بارے میں علم نہیں تھا اس لیے وہ اسے دیکھ کر حیران رہ گئی۔

"یہ کون ہے؟" اس نے جوجی سے پوچھا۔

"یہ میرا دوست ہے، یہ ہماری مدد کر رہا ہے۔ یہ جگہ اسی نے دی ہے۔"

نہ جانے کیوں صوبی کو وہ شخص بالکل اچھا نہیں لگا۔ حالانکہ اپنے مہذب چہرے اور مخصوص طرز کی عینک کی وجہ سے وہ کوئی پروفیسر لگ رہا تھا۔ اس کے پرانے طرز کے اسٹائل میں بنے سرخ بال کانوں تک آرہے تھے۔ پھر سرمد نے اسے جن نظروں سے دیکھا تھا، وہ نظریں بھی اسے بالکل اچھی نہیں لگی تھیں۔ جوجی اس کا محبوب تھا لیکن اس نے بھی کبھی صوبی کو ان نظروں سے نہیں دیکھا تھا۔ وہ دونوں کم عمری کی محبت کا شکار ضرور ہوئے تھے لیکن ان کی محبت میں وہ نفسی کیفیت نہیں تھی جو آج کل کی محبت کا طرۂ امتیاز ہو گئی ہے۔ صوبی نے موقع پا کر جوجی سے سرگوشی میں کہہ دیا۔ "مجھے یہ شخص اچھا نہیں لگ رہا ہے۔"

مگر جوجی اس سے متفق نہیں تھا۔ "صوبی! سرمد اچھا آدمی ہے اور ہماری مدد کر رہا ہے ورنہ ہمارے لیے بہت مشکل ہو جائے گی۔ ہم دونوں کم عمر ہیں اور اپنے مسائل خود سے حل نہیں کر سکتے۔"

صوبی خاموش ہو گئی۔ جوجی نے اس سے اس کی ماں کے زیورات لیے اور سرمد کو دینے چلا گیا۔ جب سرمد فلیٹ سے نکل گیا، تب صوبی کو علم ہوا کہ جوجی نے زیور اور ساری رقم بھی سرمد کو دے دی ہے۔ اس نے بے چین ہو کر کہا۔ "یہ تم نے کیا کیا؟ اب اگر وہ سب لے کر بھاگ گیا تو...؟"

"سرمد ایسا نہیں کر سکتا، وہ میرا بہت اچھا دوست ہے۔" جوجی نے یقین سے کہا۔ لیکن جب شام تک سرمد کی واپسی نہ ہوئی تو اس کا یقین بھی ڈانواں ڈول ہو گیا۔ وہ پریشان ہو گیا اگر سرمد ان کا سارا اثاثہ لے جا چکا تھا تو اب وہ کیا کرتے اور کیسے گزر بسر کرتے؟ جوجی نے نوکری کرنے کا کبھی سوچا ہی نہیں تھا۔ اسے کام کرنے کی عادت بھی نہیں تھی مگر ابھی اس کی پریشانی اتنی نہیں بڑھی تھی کہ وہ سرمد کی تلاش میں نکل کھڑا ہوتا۔ پھر شام ہوتے ہی سرمد واپس آگیا۔ اس نے آتے ہی معذرت کی۔

"سوری دوستو! مجھے دوسرا مکان تلاش کرنے میں دیر ہو گئی۔ کل تک اس کی چابی مل جائے گی پھر تم لوگوں کو اس گندی جگہ نہیں رہنا پڑے گا اور اسی گھر میں تمہارا نکاح ہو گا۔"

جوجی نے اسے دیکھ کر سکون کا سانس لیا اور اس کی بات سن کر دونوں خوش ہو گئے۔ اس نے بتایا کہ رقم اور سونا اس نے ایک محفوظ جگہ رکھ دیا ہے کیونکہ یہ جگہ محفوظ نہیں تھی۔ یہاں آئے دن مکانوں میں چوریاں ہوتی تھیں۔ "میں نہیں چاہتا کہ تم لوگوں کا یہ اثاثہ لٹ جائے۔ میرے دیر سے آنے سے تم پریشان تو نہیں ہوئے؟"

"مجھے تم پر اعتماد ہے۔" جوجی نے کہا۔

لیکن صوبی کا دل نہیں مان رہا تھا۔ لڑکی ہونے کے ناتے اس کے اندر ایک اضافی حس بھی تھی جو اسے بتاتی تھی کہ کون سا مرد اس کے بارے میں کس طرح سے سوچ رہا ہے اور اس کی چھٹی حس نے اسے خبردار کیا تھا کہ سرمد اس کے بارے میں اچھی سوچ نہیں رکھتا۔ آنے والی رات وہ الگ کمرے میں سوئی اور اس نے احتیاطاً اندر سے کنڈی لگا لی تھی۔ صبح اس کی آنکھ دیر سے کھلی۔ جوجی اور سرمد ابھی تک پڑے سو رہے تھے۔ اسے حیرت ہوئی کہ وہ اتنی دیر تک کیسے سوتی رہی۔ اس کی آنکھ صبح جلدی کھل جاتی تھی۔ وہ باہر آئی تو دوسرا کمرا کھلا ہوا تھا اور کچن میں سرمد تھا۔ جوجی اسے نظر نہیں آیا۔ اس نے گھبرا کر پوچھا۔ "جوجی کہاں ہے؟"

"وہ ناشتا لینے گیا ہے۔" سرمد نے کہا۔ وہ چائے بنا رہا تھا۔ اس نے ایک کپ صوبی کی طرف بڑھایا۔ "جب تک وہ ناشتا لے کر آتا ہے، تم چائے پی لو۔"

صوبی کا دل نہیں چاہ رہا تھا لیکن سرمد کے اصرار پر اس نے چائے لے لی اور دو گھونٹ لے کر اس کا سر گھومنے لگا۔ اس نے پریشان ہو کر سرمد کی طرف دیکھا تو وہ شیطانی انداز میں مسکرا رہا تھا۔ اس کے بعد اسے ہوش نہیں رہا۔ اسے نہیں معلوم کہ وہ کتنی دیر ہوش و حواس سے بیگانہ رہی تھی لیکن جب اسے ہوش آیا تو ایک صاف ستھرے اور مناسب فرنیچر سے آراستہ کمرے میں بستر پر لیٹی ہوئی تھی۔ اس کے جسم پر وہی لباس تھا اور شاید وہ چند گھنٹے سے زیادہ بے ہوش نہیں رہی تھی۔ وہ گھبرا کر بستر سے نیچے اتر آئی۔ اس نے کمرے کا دروازہ کھولا تو وہ کھل گیا۔ باہر ایک چھوٹا سا لاؤنج تھا جس کے ایک طرف اوپن کچن تھا۔ لاؤنج میں صوفے پر سرمد بیٹھا تھا اور اس کے سامنے میز پر ایک خوفناک سا سیاہ پستول رکھا ہوا تھا۔ صوبی کا دم خشک ہو گیا۔ اس نے تھوک نگل کر کہا۔

"تت... تم مجھے یہاں کیسے لائے؟"

وہ مسکرایا۔ "میں نہیں لایا، تم خود اپنے پیروں پر چل کر آئی ہو۔"

"جھوٹ... مجھے ہوش نہیں تھا۔" صوبی بولی۔

"میں نے چائے میں تمہیں جو دوا دی تھی، اس سے آدمی بہ ظاہر بے ہوش ہو جاتا ہے لیکن اس کے حواس جاگتے رہتے ہیں اور چلتا پھرتا بھی ہے۔ کسی کو شک نہیں ہوا اور میں تمہیں لے کر آرام سے یہاں آگیا۔"

"لیکن کیوں؟" صوبی رونے والی ہو گئی۔ "کیوں لائے ہو مجھے اس طرح؟"

"ابھی بتاتا ہوں۔" سرمد اٹھ کر اس کی طرف بڑھا۔ اس کا انداز اتنا خوفناک تھا کہ صوبی نے سہم کر بھاگنا چاہا لیکن وہاں جگہ ہی کہاں تھی۔ سرمد نے آرام سے اسے پکڑ لیا۔ وہ چیخی چلائی لیکن اس نے اثر نہیں لیا۔ وہ اسے پکڑ کر لاؤنج میں لایا اور لکڑی کی ایک ہتھی والی کرسی پر بٹھا کر چوڑے مضبوط ٹیپ سے اس کے ہاتھ پاؤں کرسی سے اس طرح باندھ دیے کہ وہ اپنی جگہ سے حرکت بھی نہیں کر سکتی تھی۔ اس دوران میں وہ مسلسل چیختی رہی، اسے امید تھی کہ کوئی تو اس کی آواز سنے گا۔ لیکن جب سرمد اسے باندھ چکا تو اس نے کہا۔ "لڑکی! تم بیکار میں اتنی زحمت کر رہی ہو۔ یہاں دور دور تک تمہاری آواز سننے والا کوئی نہیں ہے۔"

صوبی رو رہی تھی۔ "تم مجھے یہاں کیوں لائے ہو؟ میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟"

"تمہیں جلد پتا چل جائے گا کہ میں تمہیں یہاں کیوں لایا ہوں۔" سرمد نے کہا اور چوڑے ٹیپ کا ایک ٹکڑا پھاڑ کر اس کے منہ پر لگا دیا۔ "اب تم ذرا آرام کرو۔"

سرمد نے ایک عدد موبائل فون نکالا۔ اس نے کسی کا نمبر ملایا۔ رابطہ ہونے پر اس نے کہا۔ "ہاں اکرم صاحب! میں بات کر رہا ہوں۔ میری بات کی تصدیق ہو گئی نا؟"

صوبی اس کی بات سن کر تڑپ گئی، وہ کرسی پر ہلنے لگی اور ناک سے آوازیں نکالنے لگی۔ سرمد اس سے ذرا دور چلا گیا۔ دوسری طرف سے جواب سن کر اس کے چہرے پر تشویش پھیل گئی۔ "بھاگ گیا... کیسے جناب... آپ کے آدمی نکمے ہیں۔ ہاں لیکن لڑکی اس کے باپ کے قبضے میں ہے اور مجھے یقین ہے دونوں باپ بیٹے مل کر اس کی عزت خراب... آہستہ جناب... آپ جانتے ہیں رشید بلا کتنا کمینہ شخص ہے۔ یہ لڑکا مجید اسی کی اولاد ہے۔ دونوں ایک سے کمینے ہیں۔"

صوبی کی آنکھیں پھیل گئیں۔ اس نے پھر ناک سے آوازیں نکالیں لیکن سرمد اتنا دور تھا کہ اس کی آواز کسی صورت فون تک نہیں جا سکتی تھی۔ سرمد کہہ رہا تھا۔ "مجھے یقین ہے جناب کہ یہ سارا منصوبہ رشید بلا کا ہے۔ اس نے آپ کو ذلیل کرنے کے لیے بنایا ہے اور اپنے بیٹے کی مدد سے اس پر عمل کیا

فہرست کتب 2009 2010

کتابیات پبلی کیشنز
مکتبہ نفسیات

تصوّف

سفیرانِ حرم	(خان آصف) (چاروں ایمائے کرام کے حالات زندگی)	250/-
صاحب کرامات (4 حصے مکمل)	(مستند و کی مشہور بزرگ کی سوانح، واقعات مع مجرب وظائف و تعویذات)	250/- فی حصہ
سوانح انبیاء	(ضیاء تسنیم بلگرامی) 2 حصے	250/- فی حصہ
روشنی کے مینار	(ضیاء تسنیم بلگرامی)	250/-
عظمت کے مینار	(ضیاء تسنیم بلگرامی)	250/-
پراسرار بندے	(ضیاء تسنیم بلگرامی)	250/-
نبوت کے جھوٹے دعوے دار (2 حصے جاری ہے)	(ضیاء تسنیم بلگرامی)	250/- فی حصہ
احوالِ اولیا	(ڈاکٹر ساجد امجد) (اولیاء کرام کی سوانح حیات)	350/-
خاصانِ خدا	(ڈاکٹر ساجد امجد) (اولیاء کرام کی سوانح حیات)	250/-
سفرِ آخرت	(محمد فاروق قادری)	250/-
حکایات اولیاء ① ②	(ضیاء تسنیم بلگرامی)	30/- فی حصہ

افسانے / ناول

ایمان کا سفر	(محی الدین نواب کی کہانیوں کا مجموعہ)	250/-
کچرا گھر	(محی الدین نواب کی کہانیوں کا مجموعہ)	200/-
آدھا چہرہ	(محی الدین نواب کا طویل معاشرتی ناول)	300/-
بہتے پانی پہ مکاں	(ناہید سلطانہ اختر کا رومانی ناول)	250/-
دکھ کا دریا سکھ کا ساگر	(آسیہ مرزا کا رومانوی ناول)	800/-
دھوپ بارش اور سائے	(نگہت سیما)	1000/-
سیپ، صدف اور ساحل	(رخ چوہدری کا مکمل ناول)	450/-
خلش	(ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی)	450/-
بہتی چاندنی کا سکوت	(ناہید چوہدری کا خوب صورت ناول)	450/-
مہمان	(ماہ مبین)	300/-
منزل کہاں ہے	(ماہ مبین)	300/-
قیدی سانس لیتا ہے	(زاہدہ حنا کے انقلابی افسانے)	100/-
بجلی گری نشیمن پر	(نور حسین شاہ کا مکمل معاشرتی ناول)	150/-
صحرا میں کنول	(نور حسین شاہ کا مکمل ناول رنگین تصاویر کے ساتھ)	150/-
گہن لگا چاند	(نور حسین شاہ کا مکمل ناول)	150/-
آدم زادی	(مظلوم عورتوں کی سچی کہانیاں)	100/-
انجم تاباں	(فنون لطیفہ سے تعلق رکھنے والوں کا مختصر تعارف)	200/-
سفید ڈاکو	(محسن رضا کا طبع زاد ناول)	200/-
مارکو پولو	(محسن رضا کے قلم سے)	200/-
تم میرے سنگ ہو	(رضوانہ پرنس کے خوب صورت افسانے)	130/-
سدا میرے ہی رہنا	(رضوانہ پرنس کے خوب صورت افسانے)	130/-
یہ کیسا جیون	(شمیم ناز صدیقی کے خوب صورت افسانے)	125/-
دس خوفناک کہانیاں	(ابن حق کے قلم سے)	200/-

سسپنس ڈائجسٹ کے سلسلے

دیوتا	50 حصے (جاری ہے)	75/- فی حصہ
طالوت	3 حصے (مکمل)	75/- فی حصہ
موت کے سوداگر	18 حصے (جاری ہے)	75/- فی حصہ
فرعون	2 حصے (مکمل)	75/- فی حصہ

جاسوسی ڈائجسٹ کے سلسلے

گمراہ	8 حصے (مکمل)	75/- فی حصہ
مغرور	6 حصے (مکمل)	75/- فی حصہ
صدیوں کا بیٹا	5 حصے (مکمل)	75/- فی حصہ
شکاری	20 حصے (مکمل)	75/- فی حصہ
مجاہد	11 حصے (مکمل)	75/- فی حصہ
آتش فشاں	13 حصے (مکمل)	75/- فی حصہ

سب رنگ ڈائجسٹ کے سلسلے

بازی گر	7 حصے (جاری ہے)	75/- فی حصہ
انکا	2 حصے (مکمل)	75/- فی حصہ
اقابلا	2 حصے (مکمل)	75/- فی حصہ
سونا گھاٹ کا پجاری	(مکمل)	60/- فی حصہ
غلام روحیں	(مکمل)	60/- فی حصہ

دیگر ڈائجسٹوں کے سلسلے

چھلاوا	صبیحہ بانو (مکمل)	500/-
جال	صبیحہ بانو (مکمل)	75/-
ھمزاد	شمیم نوید (مکمل)	75/-
شاطر ① ②	مسٹری میگزین کا سلسلہ (مکمل)	75/- فی حصہ
نک ویلوٹ کی چوریاں	2 حصے (مکمل)	75/- فی حصہ
انعام یافتہ کہانیاں	ڈائجسٹوں کی بہترین کہانیاں	50/-
چارلس سوبھراج کی سرگزشت		60/-
کالی کہانیاں	اے ایس صدیقی	40/-
بہترین کہانیاں	اے ایس صدیقی	75/-
شیطان صفت	مرزا امجد بیگ ایڈووکیٹ (زیرِ عدالت مقدمات کی سچی کہانیاں)	75/-
سبز قدم	مرزا امجد بیگ ایڈووکیٹ (زیرِ عدالت مقدمات کی سچی کہانیاں)	75/-
اسیر ہوس	(ملک صفدر حیات ریٹائرڈ ڈی ایس پی کی ڈائری سے جرائم کے سچے واقعات)	75/-
دست انتقام	(ملک صفدر حیات ریٹائرڈ ڈی ایس پی کی ڈائری سے جرائم کے سچے واقعات)	75/-
ماورائی لوگ	(روحانی صلاحیتوں کے حامل لوگوں کے سچے واقعات)	85/-
کشتہ سیاست	(ایک کنوارے سیاست داں کی سرگزشت)	85/-

الیاس سیتاپوری کی تاریخی کہانیاں

رزم بزم	50/-
آشنا نا آشنا	50/-
راگ کا بدن	50/-
شہزادی کا نیلام	50/-
بالا خانے کی دلہن	50/-
چاند کا خدا	50/-
عجائب خانہ عشق	50/-
کشمیر کی کلی	50/-
داستان حور	50/-
اندر کا آدمی	50/-
موبدزادے کی سرگزشت	160/-
لذت آشنائی (بہترین تاریخی کہانیوں کا انتخاب)	200/-

شگفتہ سیریز / طنز و مزاح

گھر کی مرغی	(اثر نعمانی)	50/-
حکیمی ٹیکسی	(اثر نعمانی)	50/-
بے وقوف	(اثر نعمانی)	50/-
آپ کے سر پر	(اثر نعمانی)	50/-
شرارت	(اثر نعمانی)	50/-
بی وی کی تلاش	(اثر نعمانی)	50/-
الو کی دم	(اثر نعمانی)	50/-
اور سہی	(اثر نعمانی)	50/-
مسٹر مداری	(اثر نعمانی)	50/-
کالے خاں بھورے خاں	[illegible]	200/-

نفسیاتی و علمی کتابیں

ٹیلی پیتھی مستقبل بینی	60/-
ٹیلی پیتھی کی جدید تحقیقات	60/-
ہپناٹزم	40/-
ہپناٹزم کے عملی طریقے	60/-
ذاتی ہپناٹزم	40/-
ہپناٹزم کی جدید تحقیقات	70/-
مقناطیسیت	50/-
امتحان میں کامیابی	40/-
خوابوں کے اسرار	30/-
عورتوں کی نفسیات	70/-
ازدواجی نفسیات	70/-
مٹاپا اور اس کا سدباب	70/-
نظر کی کمزوری اور اس کا سدباب	30/-
خوف و شرم اور اس کا سدباب	50/-
دست شناسی کے نئے رخ	60/-

تحریر اور شخصیت		30/-
مسائل اور حل		50/-
باخبری		40/-
چھ حیرت انگیز علوم		40/-
احساس کمتری		45/-
کامیابی		40/-
سگریٹ نوشی چھوڑئیے		40/-
کراٹے		70/-
یوگا	(زیر طبع)	250/-

سرگزشت

آل ٹائم گریٹ کرکٹرز (1)	250/-
آل ٹائم گریٹ کرکٹرز (2)	250/-

ادب

شہریارانِ ادب	(مشہور نثر نگاروں کے حالات زندگی)	200/-
خدایانِ سخن	(مشہور شعرا کے حالات زندگی)	200/-

موسیقی

ابجد موسیقی	(موسیقی سیکھنے کے لیے بہترین کتاب)	200/-
سرسنگ گیت	(مشہور فلمی گانوں کی نوٹیشن)	225/-

کتابیات پبلی کیشنز

پوسٹ بکس 23 کراچی 74200

فون: 5804300-5895313 فیکس: 5802551

kitabiat1970@yahoo.com

رابطے کے لئے: C-63 فیز II ایکسٹینشن ڈی ایچ اے مین کورنگی روڈ کراچی 75500

- کتابوں کی قیمت اور ڈاک خرچ بذریعہ منی آرڈر/کراسڈ چیک یا بینک ڈرافٹ اس پتہ پر روانہ کریں۔
  (کتابیات پبلی کیشنز پوسٹ بکس 23 رمضان چیمبرز آئی آئی چندریگر روڈ کراچی 74200)
- منی آرڈر کوپن پر اپنا نام و پتا اور کتابوں کے نام ضرور لکھیں ورنہ تاخیر کے ہم ذمے دار نہ ہوں گے۔
- ڈاک خرچ (اندرون ملک) ایک کتاب کا -/31 روپے دو کتابوں کا -/33 روپے 3 تا 5 کتابوں کا -/37 روپے ہوگا۔
- کسی قسم کی نقد رقم لفافے میں ڈال کر ہرگز مت بھیجیں ورنہ ہمیں نہیں ملے گی اور نہ ہی اس سلسلے میں کوئی خط و کتابت کی جاسکے گی۔
- کتب بذریعہ وی پی بھی ارسال کی جاتی ہیں
- فہرست میں درج قیمتیں موجودہ ہیں اور کسی بھی وقت ان میں تبدیلی ہوسکتی ہے۔ کتاب کی قیمت وہی لی جائے گی جو کتاب پر چھپی ہوئی ہوگی۔

ہے۔ اگرچہ وہ آپ کے آدمیوں سے چھوٹ کر بھاگ گیا ہے لیکن اس سے یہ تو ثابت ہو گیا ہے کہ آپ کی لڑکی کو اٹھانے میں ان لوگوں کا ہاتھ ہے۔''

سرمد معنی خیز نظروں سے صوبی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''جی جناب! آپ کی لڑکی بہت کم عمر اور معصوم ہے۔ یقیناً ان لوگوں نے اسے ورغلایا ہوگا۔''

اس نے فون بند کر کے صوبی کے منہ سے ٹیپ اتار دیا اور بولا۔ ''تم نے سنا، میں تمہارے باپ سے بات کر رہا تھا۔ اکرم موجی سے... جو اس شہر کا ایک بڑا بدمعاش ہے... ہے نا۔'' یہ کہتے ہوئے اس کا لہجہ زہریلا ہو گیا۔ ''کاش کہ میں تمہیں سنا سکتا کہ دوسروں کے لیے دل میں ذرا سا رحم نہ رکھنے والا شخص اپنی بیٹی اور اس کی عزت کے لیے کس طرح بلک رہا تھا۔''

صوبی رونے لگی۔ اس نے ہچکیاں لیتے ہوئے کہا۔ ''مجھے... پتا ہے... بابا اچھے آدمی... نہیں ہیں۔ لیکن... میں نے... کیا کیا... ہے؟''

سرمد نے اس کے ریشمی بال مٹھی میں جکڑ لیے۔ ''تمہارا قصور یہ ہے کہ تم اس کی بیٹی ہو۔''

صوبی کی سسکیاں تیز ہو گئیں۔ ''بابا نے... تمہارا... کیا... بگاڑا ہے۔''

''اس کی وجہ سے میرا باپ مارا گیا۔'' سرمد نے ایک جھٹکے سے اس کے بال چھوڑ دیے۔ صوبی کے چہرے پر تکلیف کے آثار تھے۔ ''اس نے اپنے معمولی سے مفاد کے لیے میرے باپ کو قربان کر دیا۔ اسے مارنے والا رشید بلا تھا۔''

صوبی کراہنے لگی۔ ''تو... تم ہم سے بدلہ... لے رہے ہو؟''

''ابھی تو آغاز ہے، ابھی بدلہ لینا ہے۔'' اس نے کہتے ہوئے دوبارہ صوبی کے منہ پر ٹیپ چپکا دیا اور موبائل نکال کر اس سے دور چلا گیا لیکن وہ لاؤنج میں ہی رہا تھا۔ اس نے پھر کسی کا نمبر ملایا اور رابطہ ہونے پر پوچھا۔ ''جناب! میں بات کر رہا ہوں... میں کون ہوں اس سے کیا فرق پڑتا ہے جناب۔ یوں سمجھ لیں کہ میں آپ کا ہمدرد ہوں... مجید کا پتا چلا...''

دوسری طرف سے جواب سن کر اس نے اطمینان کا سانس لیا۔ ''مجھے یقین ہے وہ اکرم کے قبضے میں ہے۔ میں نے خود اسے اکرم کے آدمیوں کے قبضے میں دیکھا ہے۔ آج صبح وہ اسے کہیں لے جا رہے تھے۔ اگر آپ نے جلد کوئی کارروائی نہیں کی تو وہ اسے مار کر کہیں دفنا دیں گے اور اس کے بعد آپ کبھی اسے نہیں دیکھ سکیں گے... جناب! آپ مجھے کیوں ستا رہے ہیں۔ میں تو آپ کا ہمدرد ہوں۔ اب دیر مت کریں، اس سے پہلے کہ اکرم اپنا کام کر گزرے۔''

سرمد نے فون بند کر کے ایک بار پھر صوبی کے منہ سے ٹیپ اتارا۔ وہ بولی۔ ''تم میرے اور جوجی کے باپ کو لڑانا چاہ رہے ہو؟''

وہ مسکرایا۔ ''تم کم عمری میں سمجھ دار ہو گئی ہو۔ ہاں، آج کے دن اس شہر میں بڑا خون خرابا ہوگا اور شام تک رشید یا اکرم میں سے ایک مارا جائے گا اور دوسرا زندہ رہے گا۔ مرنے والا فائدے میں رہے گا کہ وہ کم سے کم اپنی اولاد کا دکھ نہیں دیکھے گا۔'' یہ کہتے ہوئے سرمد کا لہجہ سفاک ہو گیا۔

صوبی اپنے باپ کو اچھی طرح جانتی تھی۔ اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔ ''بابا غصے میں آ جائیں تو...''

''تو زمین آسمان ہل جاتے ہیں۔'' سرمد نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ ''یہی تو میں چاہتا ہوں۔''

صوبی اب اس کی نظروں سے خوف سا محسوس کر رہی تھی۔ وہ کسمسائی۔ ''تم میرے ساتھ کیا کرو گے؟''

''اگر تمہارا باپ کل صبح تک زندہ رہا تو جلد وہ تمہیں دیکھ لے گا اور جس حال میں دیکھے گا، اس کی خواہش ہو گی کہ کاش وہ دیکھنے کے لیے زندہ نہ ہوتا۔'' سرمد کا لہجہ بھی خوفناک ہو گیا تھا۔

صوبی سہم گئی۔ ''بابا تمہیں چھوڑیں گے نہیں۔''

سرمد ہنسا۔ ''اسے میرے بارے میں کچھ نہیں معلوم اور تمہیں بھی نہیں معلوم ہے اور ہاں، تم میرے بارے میں اسے جو بتانا چاہو بتا سکتی ہو۔''

صوبی ہمت کر رہی تھی۔ اس نے سرمد کو دھمکایا۔ ''تم بچ نہیں سکو گے، تم بابا کو جانتے نہیں ہو۔''

''میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں۔'' سرمد نے حقارت سے کہا۔ ''میں تمہیں چھوڑ کر اسے چیلنج دوں گا کہ مجھے تلاش کر سکتا ہے تو کر لے۔ ویسے اگر وہ بچ بھی گیا تو اس کے پاس سوائے خودکشی کے اور کوئی راستہ نہیں ہوگا۔''

سرمد یا شفقت اس وقت جس انداز میں بات کر رہا تھا، اندر سے وہ اتنا مضبوط نہیں تھا۔ اکرم کے آدمیوں کے پاس سے جوجی کے فرار کی خبر نے اسے اندر سے ہلا دیا تھا۔ اس کا منصوبہ ادھورا رہ جاتا اگر جوجی ہاتھ نہیں آتا۔ واحد اچھی بات یہ ہوئی تھی کہ جوجی اب تک واپس اپنے باپ کے پاس نہیں پہنچا تھا۔ اسے حیرت تھی جوجی کو فرار ہوئے کئی گھنٹے گزر چکے تھے اور وہ اب تک اپنے باپ تک نہیں پہنچا تھا۔ اس کا

مطلب تھا کہ وہ اپنے باپ سے بھی خوف زدہ ہے اور واپس جانا نہیں چاہتا۔ وہ یقیناً فلیٹ کی طرف گیا ہوگا لیکن اب اسے وہاں سرمد یا صوبی کوئی نہیں ملتا۔ وہ وہاں سے کہیں اور چلا گیا ہوگا لیکن وہ کہاں تھا؟ شاید وہ اسے اور صوبی کو تلاش کر رہا تھا لیکن وہ کبھی ان تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔

☆☆☆

مستری رفیق کے پاس جانے سے پہلے ان میں مختصر سی بحث ہوئی۔ شامی کا خیال تھا کہ اب انہیں اس کیس سے دست بردار ہو جانا چاہیے۔ اب معاملہ مع جوجی کے اس کے والد کے سپرد کر دیا جائے کیونکہ اگلا مرحلہ خطرناک اور جان جوکھم والا ہو سکتا تھا۔ یہ تو طے تھا کہ شفقت ایک مجرم تھا اور اس نے صوبی کو اغوا کر کے ایک سنگین جرم کا ارتکاب بھی کر دیا تھا۔ اس قسم کے مجرموں سے نمٹنا ان کا کام نہیں تھا۔ یہ پولیس کا کام تھا بلکہ رشید بلا خود اس سے نمٹ سکتا تھا اور معاملہ بھی اس کا تھا اس لیے انہیں یہیں سے واپس وقار ولا کا رخ کرنا چاہیے لیکن تیمور سے پہلے جوجی نے اس تجویز سے انکار کر دیا۔

''میں کسی صورت ابا جی کے پاس نہیں جاؤں گا۔''

''دیکھو یار! وہ تمہارے ابا جی ہیں اور یقیناً اتنے ظالم بھی نہیں ہوں گے جتنا تم ان کو سمجھتے ہو۔'' شامی نے اسے سمجھایا۔

''وہ اس سے زیادہ ظالم ہیں جتنا آپ انہیں سمجھتے ہیں۔ وہ میری کھال تو ادھیڑیں گے لیکن صوبی کے لیے کچھ نہیں کریں گے۔ وہ اس ذلیل کے قبضے میں رہ جائے گی۔'' جوجی نے اپنا اصل مسئلہ بیان کیا۔ ''مجھے صوبی کی فکر ہے۔ اگر آپ میرے لیے کچھ نہیں کر سکتے تو ٹھیک ہے، میں خود صوبی کو تلاش کرنے کی کوشش کروں گا۔''

''تم کیسے کرو گے؟'' شامی نے پوچھا تو وہ جھنجلا گیا۔

''بس کر لوں گا کسی طرح۔''

''یار! اس کی مدد کرنا ہی پڑے گی۔'' شامی نے اب تیمور کی طرف دیکھا۔ ''ورنہ یہ گلیوں میں لیلیٰ... لیلیٰ چلاتا پھرے گا... نئے دور کا مجنوں۔''

''میں مجنوں نہیں ہوں جی۔'' جوجی نے سنجیدگی سے کہا۔ ''مجھے عقل آ گئی ہے۔ میں نے اور صوبی نے گھر سے بھاگ کر غلطی کی ہے۔ لیکن مجھے اسے تلاش کر کے اس کے گھر واپس پہنچانا ہے۔ یہ میری ذمے داری ہے۔ میں ہی اسے بھگا کر لایا ہوں۔''

''بچہ تو سمجھ دار ہو گیا ہے۔'' شامی ہنسا۔ ''کاش اتنی جلدی عقل مجھے بھی آ جاتی تو آج نوشی نامی بلا میرے گلے نہ پڑی ہوتی۔''

وہ رفیق مستری کی دکان پر آئے۔ دکان مین روڈ پر تھی، اسے تلاش کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ رفیق مستری تقریباً تیس سال کا دبلا پتلا آدمی تھا اور صورت سے ہی چالاک نظر آتا تھا۔ یہاں بھی شامی اور تیمور نے وہی حربہ استعمال کیا اور جوجی کو گرفتار ظاہر کر کے خود ایجنسی والے بن گئے۔ جب شامی نے اپنا تعارف کرایا اور اپنے ساتھ چلنے کو کہا تو رفیق مستری ڈر گیا۔ ''میرا قصور جناب؟''

''قصور کا بھی پتا چل جائے گا۔'' شامی درشت لہجے میں بولا۔ ''دہشت گردوں کی گاڑیاں ٹھیک کرتے ہو، ان کی مدد کرتے ہو۔''

''یہ جھوٹ ہے جی... الزام ہے۔ کسی ماں کے یار...''

شامی نے اسے تھپڑ مارا۔ ''بک بک بند کرو۔ ہمارے پاس پوری رپورٹ ہے۔''

''تم شفقت کو جانتے ہو؟'' تیمور نے پوچھا۔

''جی جانتا ہوں۔'' وہ گال سہلاتے ہوئے بولا۔

''تم نے حال ہی میں اس کی گاڑی ٹھیک کی ہے؟''

''جی کی ہے، پر کسی کی گاڑی ٹھیک کرنا کوئی جرم تو...''

شامی نے اسے ایک تھپڑ اور رسید کیا۔ ''جتنا سوال کیا جائے اتنا جواب دو۔''

''جی اچھا۔'' اس نے خون کے گھونٹ پی کر کہا۔ شامی کے رویّے سے اسے یقین آ گیا تھا کہ وہ ایجنسی والے ہی ہیں۔

''شفقت کہاں رہتا ہے؟''

''مجھے کیا معلوم جناب۔'' اس نے جتنی تیزی سے انکار کیا تھا، اس سے صاف جھلک رہا تھا کہ اس نے جھوٹ بولا ہے۔ شامی نے اس کی گردن پکڑ لی۔

''لگتا ہے تم اس طرح نہیں مانو گے۔ اب ہمارے ساتھ چلو گے اور جب الٹا لٹکو گے تو تمہیں سب یاد آ جائے گا۔''

وہ بلبلایا۔ ''آپ مجھے بے قصور لے جا رہے ہیں۔''

''تم جھوٹ بول رہے ہو۔ شفقت ایک دہشت گرد ہے۔ وہ اور اس کے ساتھی دہشت گردی کی وارداتوں میں ملوث ہیں۔ کئی پکڑے گئے ہیں، ان میں ایک یہ بھی ہے۔'' تیمور نے جوجی کی طرف اشارہ کیا۔ ''تم نے اعتراف کیا ہے کہ تم نے شفقت کی گاڑی ٹھیک کی ہے، یعنی تم اس کے لیے کام کرتے ہو۔''

اس نے فوراً انکار کیا۔ ”نہیں جی، میں نے صرف گاڑی ٹھیک کی ہے۔ مجھے اس کے بارے میں اور کچھ نہیں معلوم۔“

”اس نے گاڑی کب دی تھی؟“

”ایک ہفتہ پہلے؟“

”اور لے کر کب گیا؟“

”کل ہی لے گیا ہے۔“ اس نے پھر جھوٹ بولا۔ جھوٹ بولتے ہوئے اس کے لہجے میں ایک طرح کی عجلت آجاتی تھی۔

”جھوٹ... وہ گاڑی لینے نہیں آیا تھا بلکہ تم اسے گاڑی دینے گئے تھے۔“ تیمور نے کہا۔ شامی نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا لیکن کچھ کہا نہیں۔

”میں سچ کہہ رہا ہوں۔“ اس نے پھر اسی لہجے میں کہا۔

”کس وقت آیا تھا؟“

”صبح دس بجے۔“ اس نے جواب دیا تو تیمور نے جوجی کی طرف دیکھا۔

”کیوں برخوردار! یہ سچ کہہ رہا ہے؟“

”جھوٹ۔“ جوجی بے ساختہ بولا۔ ”وہ گیارہ بجے تک میرے ساتھ تھا۔ یہ جھوٹ بولتا ہے جی۔“

شامی نے رفیق کو دکان سے باہر دھکا دیا۔ اس کے دو کم عمر شاگرد سہمی ہوئی نظروں سے ان کو دیکھ رہے تھے لیکن انہوں نے کوئی مداخلت نہیں کی۔ رفیق پھر بلبلانے لگا اور دہائیاں دینے لگا کہ وہ بے قصور ہے۔ لیکن شامی اور تیمور اسے دھکیلتے ہوئے گاڑی تک لائے۔ ساتھ ہی وہ اسے ڈرا دھمکا بھی رہے تھے۔ شامی نے کہا۔ ”تم نے ابھی تک سنا ہوگا کہ ایجنسی والے کس طرح تفتیش کرتے ہیں۔ آج تم دیکھ لو گے اور پھر تمہیں پولیس والے بھی رحم دل لگیں گے۔“

جب انہوں نے رفیق کو گاڑی میں بٹھانا چاہا تو اس کا حوصلہ جواب دے گیا۔ ”اچھا جی بتاتا ہوں لیکن آپ مجھے لے کر نہیں جاؤ گے؟“

”اگر تم شفقت کا پتا بتا دو تو ہم تمہیں گرفتار نہیں کریں گے۔“ شامی نے اسے یقین دلایا۔

”اس نے مجھے بارہ کہو میں ایک جگہ کا پتا بتایا تھا۔ میں نے گاڑی وہاں پہنچا دی تھی۔ شفقت مجھے کام کے پیسے دے چکا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ میں گاڑی وہاں مکان کے سامنے کھڑی کر دوں۔ جب میں گاڑی وہاں کھڑی کرنے گیا تو وہاں کوئی نہیں تھا لیکن اس نے مجھے دھمکی دی تھی کہ اگر میں نے اس بارے میں کسی کو بتایا تو میرے ساتھ اچھا نہیں ہوگا۔“

”تم نے چابی کس کے حوالے کی تھی؟“ شامی نے پوچھا۔

”میں نے چابی اندر ہی ڈیش بورڈ کے خانے میں رکھ دی تھی۔ شفقت کے پاس ڈپلی کیٹ ہے۔“

”پھر تم وہاں سے آگئے؟“

”جی جناب اور اس کے بعد شفقت میرے پاس نہیں آیا۔“

”وہ آئے گا بھی نہیں۔“ شامی نے یقین سے کہا۔ ”وہ ہم سے چھپتا پھر رہا ہے لیکن جیسے اس کے دوسرے ساتھی پکڑے گئے ہیں، جلد وہ بھی پکڑا جائے گا۔“

”آپ اب تو مجھے نہیں لے جائیں گے نا؟“ رفیق مستری نے امید سے کہا۔ اسے یقین آگیا تھا کہ شامی اور تیمور کسی خفیہ ایجنسی کے اہلکار ہیں۔

”نہیں، ساتھ تو چلنا پڑے گا۔“ تیمور نے جواب دیا۔

”کیوں؟“ وہ چلا اٹھا۔

”تم چل کر ہمیں شفقت کا وہ ٹھکانا دکھاؤ گے جہاں تم نے اس کی گاڑی چھوڑی تھی۔“

”اس کے بعد تم جانے کے لیے آزاد ہو گے۔“ شامی نے کہا۔ ”ورنہ وہاں پہنچ کر پتا چلے کہ تم نے جھوٹ بولا ہے اور یہاں سے بھی غائب ہو گئے تو پھر شفقت کے ساتھ تمہیں بھی تلاش کرنا پڑے گا۔“

”آسان کام یہ ہے کہ تمہیں لے جائیں اور شفقت کا ٹھکانا دیکھ لیں۔“

رفیق مستری ان کے ساتھ نہیں جانا چاہتا تھا لیکن مجبوراً اسے گاڑی میں بیٹھنا پڑا۔

☆☆☆

رشید بلا کا تعلق ایک شریف خاندان سے تھا۔ اس کا باپ ان اولین سرکاری ملازمین میں سے ایک تھا جنہیں دارالحکومت کراچی سے اسلام آباد منتقل کیے جانے کے بعد یہاں بھیجا گیا تھا۔ وہ کلرک کی سطح کا آدمی تھا اور آفس سپرنٹنڈنٹ کی حیثیت سے ریٹائر ہوا تھا۔ اسے شعروشاعری کا شوق بھی تھا اور کبھی کبھار وہ مشاعروں میں بھی چلا جاتا تھا۔ اس کے دو بڑے بیٹے اسی کی طرح شریف اور لکھنے پڑھنے والے تھے لیکن رشید کی صحبت اسکول کے زمانے سے بگڑ گئی تھی۔ اس نے جیسے تیسے اسکول پاس کیا اور اس کے بعد آگے پڑھنے سے انکار کر دیا۔ اس وقت وہ صرف سترہ سال کا تھا اور کوئی کام نہیں کرتا تھا لیکن اس کے پاس ہمیشہ رقم موجود ہوتی تھی۔

یہ بات اس کے باپ معین الدین سے چھپی نہیں رہی اور جلد اسے معلوم ہو گیا کہ رشید ایک ایسے گروہ میں شامل ہے جو چوریاں کرتا ہے۔ معین الدین کے لیے یہ بڑا صدمہ تھا۔ اس نے ساری زندگی میں کبھی ایک روپیا حرام کا نہیں کمایا تھا اور آج اس کا بیٹا حرام کھا رہا تھا۔ اس نے رشید کو سمجھانے اور راہِ راست پر لانے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن وہ اب سدھرنے کو تیار نہیں تھا۔ وہ اس کی باتیں ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکال دیتا اور مار پیٹ اس پر بے اثر تھی۔ اس سے پہلے کہ معین الدین اسے گھر سے نکالتا، وہ خود گھر چھوڑ کر چلا گیا۔

چوری سے ترقی کر کے اس نے ڈاکا زنی کے کاروبار میں قدم رکھا مگر اس کی ترقی کا اصل سفر افغان جنگ سے شروع ہوا۔ اس نے اسلحے اور منشیات کی اسمگلنگ میں بے تحاشا کمائی کی اور اس کا شمار شہر کے چند نامی گرامی افراد میں ہونے لگا۔ لوگ اس کے منہ پر کہنے کی جرأت نہیں رکھتے تھے لیکن پیٹھ پیچھے اسے ہمیشہ رشید بلا کہہ کر پکارا جاتا۔ اس نے دولت اور طاقت کے بل بوتے پر شہر کا بڑا حصہ اپنے کنٹرول میں کر لیا۔ اس حصے سے اس کے آدمی بھتّا وصول کرتے تھے اور ماہانہ کروڑوں کی اس رقم میں اوپر والوں کا حصہ بھی ہوتا تھا۔ اس وجہ سے رشید بلا کا کام بلاخوف وخطر جاری تھا۔ اگر کبھی کوئی مسئلہ سامنے آتا تو اوپر والے اسے حل کر دیتے تھے۔

رشید بلا کے لیے ایک ہی مسئلہ تھا اور وہ اکرم موجی تھا۔ اکرم موجی اس کا حریف تھا۔ وہ خاندانی بدمعاش تھا۔ پہلے وہ میانوالی کے علاقے میں ہوتا تھا لیکن پھر اپنے گروہ سمیت راولپنڈی آگیا اور یہاں اس نے رفتہ رفتہ ہاتھ پاؤں پھیلاتے ہوئے رشید بلا کے کئی علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ اسے بعض سیاست دانوں کی سرپرستی حاصل تھی اور اسی وجہ سے اس نے تیزی سے ترقی کی۔ طاقت میں وہ کسی طرح رشید بلا سے کم نہیں تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اب تک ان کی ٹکر برابر کی رہی تھی۔ شروع میں دونوں میں خوں ریز جھڑپیں ہوئیں مگر کچھ عرصے سے انہوں نے ایک دوسرے کے معاملات میں مداخلت نہ کرنے کی پالیسی اپنائی ہوئی تھی۔

مگر یہ پالیسی اس وقت ختم ہو گئی جب رشید بلا کا اکلوتا بیٹا مجید عرف جوجی گھر سے غائب پایا گیا۔ وہ کالج جانے کے لیے گھر سے نکلا تھا لیکن وہ کالج پہنچا ہی نہیں۔ جب وہ گھر واپس نہیں آیا تو اس کی ماں نے رشید کو اطلاع دی اور اس نے اپنے آدمی دوڑا دیے تھے۔ رشید اپنے گھر اور کاروبار کو بالکل الگ الگ رکھتا تھا۔ اس نے ایک عام سی عورت سے شادی کر رکھی تھی اور اپنے گھر کا ماحول بھی الگ رکھا تھا۔ گھر میں وہ رشید الدین ہوتا تھا۔ باپ کی زندگی میں اس کا سب نے بائیکاٹ کر رکھا تھا لیکن اس کے مرنے کے بعد رفتہ رفتہ سب کا رشید بلا سے ملنا جلنا ہو گیا۔ اس کی ایک وجہ جوجی کی ماں بھی تھی جس نے جوجی کی پرورش بھی مختلف انداز سے کی تھی اور اس پر باپ کی شخصیت کا سایہ نہیں پڑنے دیا تھا۔ شاید خود رشید بلا بھی یہی چاہتا تھا۔ جوجی عام بچوں کی طرح اسکول اور پھر کالج جاتا تھا اور بہت کم لوگ اس کے بارے میں جانتے تھے کہ وہ رشید بلا کا بیٹا ہے۔ وہ خود بھی دوسروں سے کم گھلتا ملتا تھا۔ کم سے کم اس کے ماں باپ نے اس کا کوئی دوست نہیں دیکھا تھا۔

رشید بلا کے آدمیوں نے بتایا کہ وہ کالج پہنچا ہی نہیں ہے۔ شام تک اسے تمام اسپتالوں اور مردہ خانوں میں دیکھ لیا گیا۔ اس روز کسی حادثے یا مرڈر میں کوئی ایسی لاش نہیں آئی تھی جو جوجی جتنی عمر کے لڑکے کی ہو۔ اب ایک ہی وجہ رشید بلا کی سمجھ میں آرہی تھی۔ اسے اکرم موجی پر شک ہو رہا تھا لیکن اس سے پہلے کہ وہ اس سے رابطہ کرتا، اسے اپنے موبائل پر ایک نامعلوم نمبر سے کال آئی۔ دوسری طرف سے کوئی مرد بات کر رہا تھا۔

”رشید صاحب! میں آپ کا ایک ہمدرد بات کر رہا ہوں۔“

”بولو۔“ رشید بلا نے کہا۔ ”لیکن میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔“

”اپنے اکلوتے بیٹے کے لیے بھی نہیں؟“ اس آدمی نے معنی خیز انداز میں پوچھا۔

”تم... تم کون ہو۔ مجید کے بارے میں جانتے ہو؟“ رشید بلا بے چین ہو گیا۔

”جی جناب! اسی لیے تو جان پر کھیل کر کال کر رہا ہوں۔ اگر اکرم موجی کو پتا چل جائے تو وہ میرے ٹکڑے کر دے۔“

”اکرم کا اس معاملے سے کیا تعلق ہے؟“

”اسی نے تو مجید کو اغوا کرایا ہے۔ وہ اس وقت اسی کے قبضے میں ہے۔“

”تمہارے پاس کیا ثبوت ہے؟“

”ثبوت بھی کچھ دیر میں مل جائے گا۔ اس کے آدمی آپ کے علاقے میں گھسنے کی کوشش کریں گے۔“ اس آدمی نے ایک علاقے کا نام لیا۔ ”آپ وہاں موجود اپنے آدمیوں

کو ہوشیار کر دیں۔‘‘

اس آدمی نے کال منقطع کر دی۔ رشید بلا نے نمبر دیکھا، یہ بھی موبائل نمبر تھا۔ اس نے پہلے اپنے ایک نائب سے رابطہ کیا۔ یہ اسی علاقے کا نگران تھا اور اسے ہدایت کی کہ اگر اکرم موجی کے آدمی علاقے میں نظر آئیں تو ان کو گھیر کر پکڑ لیا جائے۔ نائب کو حیرت ہوئی کیونکہ اکثر وہ لوگ ان کے علاقے میں آجاتے تھے، جیسے یہ کسی کام سے ان کے علاقے میں چلے جاتے تھے۔ اس نے رشید بلا سے پوچھا۔

’’بے شک وہ کسی کام سے بھی آئے ہوں؟‘‘

’’تو میں اور کیا کہہ رہا ہوں۔‘‘ رشید بلا غرایا۔ ’’کوئی بچ کر نہ جانے پائے۔ اگر پکڑ نہ سکو تو اڑا دینا۔‘‘

’’لیکن استاد وجہ کیا ہے؟‘‘

’’میرا بیٹا مجید غائب ہے اور مجھے شک ہے کہ اس میں اکرم کا ہاتھ ہے۔‘‘

’’مجید غائب ہے؟‘‘ نائب نے حیرت سے کہا۔ ’’آپ نے بتایا نہیں، ہم اسے تلاش کرتے۔‘‘

رشید نے اپنے کچھ خاص آدمیوں کو ہی مجید کی گمشدگی سے آگاہ کیا تھا۔ ’’میں اب تک شک میں تھا کہ وہ خود کہیں گیا ہے۔‘‘

کچھ دیر بعد رشید بلا کو اطلاع ملی کہ اکرم موجی کے آدمیوں نے اس کے علاقے میں گھسنے کی کوشش کی۔ شدید فائرنگ کے بعد وہ پسپا ہو گئے۔ دونوں کا کوئی جانی نقصان نہیں ہوا تھا لیکن دو بے گناہ راہ گیر مارے گئے۔ نائب معافی مانگ رہا تھا کہ وہ کسی کو نہیں پکڑ سکا۔ رشید بلا کی پریشانی بڑھ گئی۔ اسے معلوم تھا کہ اب جنگ کھل گئی ہے اور اکرم اس کے خلاف کارروائی کرے گا۔ اس کی مجبوری ہوگی کیونکہ اس کا بیٹا اکرم کے قبضے میں تھا۔ اتنا تو رشید کو اطمینان تھا کہ وہ بلا وجہ اسے کوئی جانی نقصان نہیں پہنچائے گا۔ اس نے کسی مقصد کے تحت جوجی کو اغوا کیا تھا۔ رشید بلا نے اپنے سارے آدمیوں کو حکم جاری کر دیا کہ وہ مکمل تیاری کی حالت میں پورے علاقے میں پھیل جائیں اور اس کا حکم ملتے ہی حرکت میں آجائیں۔

☆☆☆

اکرم موجی کا غصے سے بُرا حال تھا۔ بات ہی ایسی تھی۔ اکرم کی سب سے چھوٹی بیٹی صاحبہ گھر سے غائب تھی۔ وہ ایک ڈرائیور کے ساتھ کالج جاتی تھی جو اسے کالج کے گیٹ پر اتار کر چلا جاتا تھا۔ اس روز بھی اس نے ایسا ہی کیا اور اسے پتا نہیں چلا کہ اس کے جاتے ہی صاحبہ گیٹ سے باہر آگئی جہاں کچھ دور جوجی اس کا منتظر تھا۔ وہ اس کے ساتھ چلی گئی۔ یہ بات اکرم موجی کو کچھ دیر پہلے ایک نا معلوم شخص نے کال کر کے بتائی تھی۔ اس نے یہ بھی کہا کہ اس سازش میں رشید بلا شامل ہے اور اس کے کہنے پر اس کے بیٹے مجید عرف جوجی نے صاحبہ کو اپنے جال میں پھنسایا اور گھر سے بھاگنے پر اکسایا۔ یہ بات بھی جلد سامنے آگئی کہ صاحبہ کی ماں کا سارا زیور غائب ہے اور وہ بیٹی سے زیادہ زیور کا ماتم کر رہی تھی۔

’’چپ کر جا۔‘‘ اکرم موجی نے دہاڑ کر بیوی سے کہا۔ ’’تجھے زیور کی پڑی ہے، بیٹی کا ہوش نہیں ہے۔‘‘

’’تمہیں بھی تو اپنی ناک کی پڑی ہے۔ ابھی بیٹی آجائے تو شاید اسے قتل ہی کر دو۔‘‘ بیوی نے ترکی بہ ترکی جواب دیا اور ثابت کر دیا، ہم ہوئے کہ تم ہوئے یا میر ہوئے، بیوی کے سامنے سب ہی ذلیل ہوئے۔

اکرم موجی نے دانت پیسے۔ ’’دل تو یہی چاہ رہا ہے کہ وہ کم بخت سامنے آجائے تو ٹکڑے کر دوں۔‘‘

’’بس بدمعاشی شروع کر دی۔ یہ نہیں کہ اسے تلاش کرو، اس سے پہلے کہ سارے زمانے میں شہرت ہو جائے۔‘‘

’’کیسے تلاش کروں؟‘‘ اکرم موجی تلملایا۔ ’’اپنے آدمیوں سے کہوں کہ بیٹی گھر سے بھاگ گئی ہے، اسے تلاش کرو۔ کیا عزت رہ جائے گی میری ان کے سامنے؟ ابھی تو سر اٹھاتے ہوئے بھی کانپتے ہیں۔‘‘

’’تم رشید بلا کے خلاف کچھ کرو۔‘‘ بیوی نے مشورہ دیا۔ ’’اس کے ہوش ٹھکانے لگاؤ۔ ہمارے گھر کو آگ لگا کر وہ کیوں سکون سے بیٹھے۔‘‘

اکرم موجی نے سوچا تو اسے بیوی کا مشورہ مناسب لگا اور اس نے فوراً اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ وہ رشید بلا کے علاقے میں گھس کر کارروائی کریں۔ اس دوران میں اس نامعلوم آدمی کا فون آگیا اور اس نے اکرم موجی سے پوچھا کہ اس نے اب تک رشید بلا کے خلاف کارروائی کی۔ اکرم موجی نے اسے بتایا کہ فلاں علاقے میں کچھ دیر میں اس کے آدمی کارروائی کریں گے۔ اس آدمی نے اسے خبردار کیا۔ ’’رشید بلا نے بھی اپنے آدمیوں کو چوکنا کر دیا ہے۔ میں پتا لگانے کی کوشش کر رہا ہوں کہ آپ کی بیٹی اور مجید کہاں ہیں کیونکہ وہ رشید کے گھر یا اس کے کسی ٹھکانے پر نہیں ہیں۔‘‘

کچھ دیر بعد اسے اطلاع مل گئی کہ جیسے ہی اس کے آدمی رشید بلا کے علاقے میں داخل ہوئے، انہیں گھیر لیا گیا اور شدید فائرنگ کے بعد وہ وہاں سے نکل آنے پر مجبور ہو گئے۔ ان کے دو آدمی زخمی ہوئے تھے۔ اکرم موجی کا غصہ یہ سن کر مزید بڑھ گیا اور اس نے اپنی بیوی سے کہا۔

’’لگتا ہے مجھے اس کے گھر پر چڑھائی کرنا پڑے گی۔‘‘

’’ایسا مت سوچنا۔‘‘ وہ ڈر گئی۔ ’’ہماری بیٹی اس کے قبضے میں ہے۔‘‘

’’جہنم میں گئی ایسی بیٹی جسے ماں باپ کی عزت کی پروا بھی نہ ہو۔‘‘ اکرم موجی نے گرج کر کہا۔ ’’میں آج رات ہی اس کے گھر کو آگ لگا دوں گا۔‘‘

بیوی اسے بھڑکانے کے بعد اب ٹھنڈا کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ ’’دیکھو، کوئی ایسا کام مت کرو جس پر بعد میں پچھتانا پڑے۔ تم ایک بار اس سے بات کر کے دیکھو۔‘‘

’’بکو مت۔‘‘ اکرم موجی بھڑک گیا۔ ’’میں اس سے بات کروں، اس کے آگے جھک جاؤں؟‘‘

’’ابھی تم مجبور ہو اس لیے بات کر لو۔ ایک بار بیٹی واپس آجائے تو جو دل چاہے کرتے رہنا۔‘‘

اس بار بات اکرم موجی کے دل کو لگی۔ وہ ذرا موٹے دماغ کا آدمی تھا۔ اس کی خوش قسمتی کہ اسے ساتھی بہت وفادار ملے تھے اور دوسرے اسے میانوالی کے ایک طاقتور سیاسی خاندان کی حمایت حاصل تھی کیونکہ وہ الیکشن کے دنوں میں ان کے بہت کام آتا تھا۔ اس وجہ سے وہ راولپنڈی میں اپنے قدم جمانے میں کامیاب رہا تھا۔ اس کے پاس رشید بلا کا کوئی نمبر نہیں تھا۔ اس نے اپنے ایک مشترکہ جاننے والے سے بات کی اور اس سے رشید بلا کا نمبر حاصل کیا۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ کال کرتا، اسے خود رشید بلا کی کال آگئی۔ وہ اس کا نام سنتے ہی غرانے لگا۔

’’رشید! تیری یہ جرأت ہو گئی ہے لگتا ہے تُو امن سے رہنا نہیں چاہتا۔‘‘

’’امن سے میں رہنا نہیں چاہتا یا تجھے کیڑے نے کاٹا ہے۔‘‘ رشید بلا نے پھنکار کر کہا۔ ’’تو کیا سمجھتا ہے، میرے بیٹے کو غائب کر کے تُو سکون سے رہ سکے گا؟‘‘

’’اچھا، اب تُو مجھ پر الزام لگائے گا۔‘‘ اکرم موجی نے طنز کیا۔ ’’کیا اس طرح تو اور تیرا بیٹا خود کو بے گناہ ثابت کرنا چاہتے ہیں؟ لعنت ہو تم دونوں پر، تم سے تو ہیجڑے اچھے ہوتے ہیں۔‘‘

’’بکواس نہ کر۔‘‘ رشید بلا بھڑک کر بولا۔ ’’اگر میرے بیٹے کو ذرا بھی نقصان ہوا تو میں پورے شہر کو آگ لگا دوں گا۔‘‘

’’رشید! میں تجھے کال کرنے والا تھا۔ یہ ڈراما بند کر اور میری بیٹی واپس کر دے ورنہ میں تم دونوں باپ بیٹے کو ایک ہی قبر میں دفن کر دوں گا۔‘‘

رشید بلا کو جھٹکا لگا۔ ’’بیٹی... کون سی بیٹی، کیا بکواس کر رہا ہے؟‘‘

’’میری بیٹی کو تیرا بیٹا ورغلا کر لے گیا ہے۔ اگر وہ صبح سے پہلے واپس نہ آئی تو میں تم دونوں کو چھوڑوں گا نہیں۔‘‘

’’اب تو اپنے کرتوت چھپانے کے لیے جھوٹ بولے گا۔‘‘ رشید بلا کا لہجہ زہریلا ہو گیا۔ ’’تو خاندانی بدمعاش ہے، کم سے کم اسی کی لاج رکھ لے۔‘‘

اکرم موجی بھی بھڑک گیا۔ ’’تُو کیا سمجھتا ہے، میں تیری طرح گھٹیا ہوں جو بیٹی کا نام لوں گا۔ میری بیٹی غائب ہے اور میں نے معلوم کرایا ہے۔ وہ کالج سے تیرے بیٹے کے ساتھ نکلی ہے۔ مجھے تو معلوم ہی نہیں تھا کہ تیرا بیٹا بھی اسی کالج میں پڑھتا ہے۔‘‘

چند منٹ تک دونوں میں تند و تیز جملوں اور دھمکیوں کا تبادلہ ہوا اور دونوں کا خیال تھا کہ دوسرا اسے دھوکا دے رہا ہے۔ بہر حال بات کسی نتیجے پر پہنچے بغیر ختم ہو گئی۔ فون بند کرتے وقت انہوں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اب دوسرے کو نہیں بخشنا ہے۔ وہ دونوں باپ تھے لیکن ان کی بدمعاش والی انا ان کے لیے اولاد سے بڑھ کر تھی اس لیے اب وہ بہر صورت فریقِ ثانی کو نیچا دکھانا چاہتے تھے، چاہے اس کے لیے انہیں اپنی اولاد کی قربانی کیوں نہ دینی پڑے۔ فون بند کر کے اکرم موجی نے اپنے آدمیوں کو تیار رہنے کا حکم دیا۔ اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ کل کا دن رشید بلا کی زندگی کا آخری دن ہوگا۔ چاہے اس کے گھر پر حملہ کر کے اسے تباہ کرنا پڑے۔ اسے اطلاع مل رہی تھی کہ رشید بلا کے آدمی بھی مکمل تیاری کی حالت میں اپنے علاقوں میں گشت کر رہے ہیں اور کوئی بھی تصادم خوں ریز ثابت ہو سکتا ہے۔ علاقے کے لوگ بھی صورتِ حال بھانپتے ہوئے اپنے اپنے گھروں میں بیٹھ گئے تھے۔ بازار اور دکانیں بند ہو گئی تھیں۔ پولیس بھی معاملے کی نوعیت دیکھ کر تھانوں میں چلی گئی تھی اور پولیس کے اعلیٰ افسران دونوں فریقوں سے رابطے کی کوشش میں لگے تھے۔ کسی بھی ہنگامہ آرائی کی صورت میں ان کی ملازمتوں پر بن آتی اور دوسرے اس سے ان کی آمدنی بھی متاثر ہوتی۔ مگر رشید بلا اور اکرم موجی ان کی کالز ریسیو نہیں کر رہے تھے۔

صبح کے وقت اکرم موجی کو اسی نامعلوم شخص کا فون آیا۔ اب اسے اس شخص پر اعتماد ہو چلا تھا۔ اس کی بتائی ہوئی تمام باتیں درست ثابت ہوئی تھیں۔ اس نے کہا۔ ’’دیکھا جناب! میری بات درست نکلی نا... یہ سارا رشید اور اس کے پلّے کا کام ہے۔‘‘

’’میں اسے چھوڑوں گا نہیں، وہ الٹا مجھ پر الزام لگا رہا

ہے کہ میں نے اس کے بیٹے کو اغوا کرایا ہے۔"

"بکواس کرتا ہے۔ اس طرح اپنے جرم پر پردہ ڈالنا چاہتا ہے۔ آپ کے لیے اچھی خبر ہے۔ میں نے اس جگہ کا سراغ لگالیا ہے جہاں رشید نے مجید اور آپ کی بیٹی کو چھپا رکھا ہے۔ میں اسی طرف جارہا ہوں۔ کچھ دیر میں تصدیق کرکے آپ کو فون کرتا ہوں۔" یہ کہتے ہوئے اس نے کال منقطع کر دی۔ اکرم موجی اس کے بارے میں جاننا چاہتا تھا لیکن اس نے اب تک اپنی شناخت بتانے سے انکار کیا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ اس کی شناخت سامنے آگئی تو اس کی جان کو خطرہ ہوسکتا ہے۔ اس لیے مہربانی کرکے اس کی شناخت پر اصرار نہ کیا جائے۔ تقریباً بیس منٹ بعد اس نے اکرم موجی کو دوبارہ کال کی اور پُرجوش لہجے میں بولا۔

"جناب! میں نے مجید کا سراغ لگالیا ہے۔ وہ اس وقت باہر گھوم رہا ہے۔ آپ فوراً اپنے آدمیوں کو بھیجیں، وہ اسے آرام سے اٹھا سکتے ہیں۔"

"اس کے ساتھ کوئی اور ہے؟"

"نہیں جناب... کوئی نہیں۔" نامعلوم شخص نے کہا۔

"حیرت ہے اکیلا گھوم رہا ہے۔"

اس نے اکرم کو علاقے کے بارے میں بتایا اور اس نے فوری طور پر اپنے آدمیوں کو وہاں پہنچنے اور مجید کو اٹھا کر لانے کا حکم دیا۔ اس کے دو تجربے کار آدمی فوری طور پر روانہ ہوگئے۔ اکرم موجی کے لیے اپنے جوش پر قابو پانا محال ہورہا تھا کیونکہ ایک بار رشید کا بیٹا اس کے ہاتھ آجاتا تو وہ اس کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہوجاتا مگر آدھے گھنٹے بعد ہی اس کے جوش کے غبارے سے ساری ہوا نکل گئی، جب اس کے آدمیوں نے رابطہ کرکے اسے بتایا کہ مجید ان کے قابو میں آنے کے بعد ایک سگنل پر ان کی گرفت سے نکل کر بھاگ گیا ہے۔ اکرم موجی غصے سے پاگل ہوگیا اور اس نے اپنے آدمیوں کو بے نقط سناتے ہوئے حکم دیا کہ وہ ہر صورت مجید کو تلاش کریں ورنہ وہ انہیں اپنے ہاتھ سے قتل کردے گا۔ اس نے اپنے دوسرے آدمیوں کو بھی اس علاقے میں پہنچنے کا حکم دیا۔ اس نے حکم دیا کہ اگر مجید نظر آجائے اور ان کے قابو میں نہ آئے تو وہ اسے قتل کردیں۔ کوئی تین گھنٹے بعد اس کے کچھ آدمیوں نے مجید کو دیکھ لیا اور انہوں نے اکرم موجی کو اطلاع دی۔

"جناب! ہم نے اسے دیکھ لیا ہے لیکن وہ دو آدمیوں کے ساتھ ہے۔ وہ ایک گاڑی میں جارہے ہیں۔"

"ان کا پیچھا کرو اور مجید کو پکڑ لو۔" اکرم موجی نے حکم دیا۔ "اب یہ ہاتھ سے نکلا تو تم سب کو زندہ دفن کردوں گا۔"

"آپ فکر نہ کریں، وہ بچ کر نہیں جاسکتے۔" اکرم موجی کے آدمی نے تیقّن سے کہا۔ "میں نے دوسروں کو بلالیا ہے۔ بندہ کچھ دیر میں آپ کے سامنے ہوگا۔"

اکرم موجی یہ سن کر دوبارہ سے پُرجوش ہوگیا کہ اس کے آدمیوں نے مجید کو ڈھونڈ نکالا ہے لیکن اس بار وہ کوئی خطرہ مول نہیں لینا چاہتا تھا اور پھر وہ صاحب کا بھی معلوم کرنا چاہتا تھا۔ اس لیے اس نے خود میدان میں آنے کا فیصلہ کیا۔ "میں خود آرہا ہوں، مجھے بتاتے رہو۔"

☆☆☆

رشید بلا رات بھر بے چین رہا۔ اس کے آدمی پورے شہر میں اکرم موجی کے ٹھکانوں کی بو سونگھتے پھر رہے تھے لیکن ان کو کہیں مجید کا سراغ نہیں ملا تھا۔ صبح اس کے بعض آدمیوں نے اکرم موجی کے کچھ لوگوں کو راولپنڈی کے ایک پرانے علاقے میں گھومتے دیکھا تھا لیکن ان سے تصادم کی نوبت نہیں آئی تھی۔ رشید نے اپنے آدمیوں سے کہا کہ وہ اس علاقے پر خاص نظر رکھیں۔ ممکن ہے مجید کو اسی علاقے میں کہیں رکھا گیا ہو۔ اس کے آدمی اس علاقے میں پھیل گئے۔ دوپہر کے قریب رشید کے آدمیوں کی ایک ٹولی نے اسے اطلاع دی۔

"جناب! اکرم کے کچھ آدمی ایک گاڑی میں جارہے ہیں۔"

"ان کا پیچھا کرو۔" رشید نے اضطراب سے حکم دیا۔ "ان کو نظروں سے اوجھل مت ہونے دینا۔ شاید یہ اس ٹھکانے سے واقف ہوں جہاں اکرم نے مجید کو رکھا ہے۔"

"آپ فکر نہ کریں جناب۔" گاڑی میں موجود آدمی نے کہا۔ "میں نے سادو اور مجیب کو بھی بلالیا ہے۔"

"یہ اچھا کیا۔" رشید بلا خوش ہوگیا۔

کچھ دیر بعد اس کے آدمی نے پُرجوش لہجے میں کہا۔ "استاد! یہ ایک اور گاڑی کا پیچھا کررہے ہیں اور اس گاڑی میں مجید صاحب نظر آرہے ہیں۔"

رشید اچھل پڑا۔ اس نے اضطرابی لہجے میں کہا۔ "تمہیں یقین ہے آگے والی گاڑی میں مجید ہے؟"

"جی استاد! طارق نے ابھی دوربین سے دیکھا ہے۔"

"اسے ہر قیمت پر نظر میں رکھو۔"

"جی ہم پیچھے ہیں، پر یہ اسلام آباد کا علاقہ ہے۔" رشید کے آدمی کا لہجہ دبا ہوا ہوگیا۔ "ہم مری روڈ کی طرف جارہے ہیں۔"

"تم پیچھا کرو، میں بھی آرہا ہوں۔" رشید بلا نے اسے حکم دیا۔ "تمام بندوں کو بھی اس طرف بلالو۔"

گھر میں رشید کی مخصوص گاڑی اور اس کے خاص چار باڈی گارڈز موجود تھے۔ وہ ان کے بغیر باہر نہیں جاتا تھا۔ گاڑی بلٹ پروف تھی۔ وہ ان کے ساتھ نکل آیا اور اس نے ڈرائیونگ کرنے والے کو ہر ممکن تیزی سے مری روڈ کی طرف چلنے کا حکم دیا۔

☆☆☆

گاڑی میں رفیق مستری شامی کے ساتھ آگے بیٹھا تھا جبکہ تیمور جوجی کے ساتھ پیچھے تھا۔ کچھ دیر تک تو انہوں نے پیچھے کا دھیان نہیں رکھا تھا کیونکہ شہر میں ٹریفک بہت زیادہ تھا لیکن جب وہ نکل کر مری روڈ پر آئے تو شامی چونک گیا۔ اس نے تیمور سے کہا۔ "یہ سرخ اور سیاہ رنگ کی جیپ خاصی دیر سے پیچھے نظر آرہی ہے۔"

"سڑک ہے ممکن ہے یہ بھی اسی طرف جارہی ہو۔" تیمور نے ذرا آگے ہوکر عقبی آئینے میں گاڑی کا جائزہ لیا۔

"مجھے یاد ہے، یہ رفیق کی دکان سے روانہ ہونے کے فوراً بعد ہی نظر آنے لگی تھی۔" شامی نے کسی قدر تشویش سے کہا اور اس کے ساتھ ہی اس نے رفتار بڑھا دی۔ کار میں سولہ سو سی کا طاقت ور انجن تھا اور وہ اسے پیٹرول پر چلاتے تھے کیونکہ نواب صاحب سی این جی کے استعمال کے مخالف تھے۔

شامی نے کار کو ایکسلریٹر دیا تو وہ تیزی سے آگے بڑھی۔ فوراً ہی پیچھے آنے والی جیپ بھی تیز ہوئی۔ وہ ان سے کوئی چالیس پچاس گز پیچھے تھی۔ شامی کا شک مزید بڑھ گیا کہ وہ ان کے پیچھے ہی آرہی ہے۔ رفیق مستری سہما ہوا بیٹھا تھا۔ ایجنسی کے نام سے سب کی ہوا خراب ہوتی ہے۔ اس کا ڈرنا برحق تھا۔ جوجی بے چین تھا۔ وہ بار بار شامی سے تیز چلنے کو کہہ رہا تھا لیکن شامی ایک حد میں رہ کر ڈرائیونگ کررہا تھا۔ ہائی وے پر اوور اسپیڈنگ پر پولیس فوراً روک لیتی ہے اور اگر انہیں پولیس روک لیتی تو اس چکر میں خاصا وقت برباد ہوجاتا اور انہیں نواب صاحب کو الگ حساب دینا پڑتا کیونکہ انہیں چالان کے بارے میں تو پتا چل ہی جاتا۔ اس لیے شامی حدِ رفتار کے مطابق چل رہا تھا۔

شامی نے رفتار صرف تصدیق کے لیے تیز کی تھی۔ جب جیپ کی رفتار بھی بڑھی اور وہ اس سے مخصوص فاصلے تک آگئی تو شامی کو خاصی حد تک یقین ہوگیا۔ اس نے جوجی سے کہا۔ "برخوردار! لگتا ہے تم اپنے بندوں کی نظر میں آگئے ہو اور وہی پیچھا کررہے ہیں۔"

رفیق کا رنگ اڑ گیا۔ "شفقت کے ساتھی۔" اس نے کانپتی آواز میں کہا۔ "میں تو جی فری میں مارا جاؤں گا۔"

"نہیں، ایک دو درجن گولیاں یا ایک ڈیڑھ کلو بارود تمہارے حصے میں بھی آئے گا... فری میں کہاں مارے جاؤ گے۔" تیمور نے تسلی دینے کے انداز میں اس کا خون خشک کیا۔ "تم نے کیا سمجھا ہے، دہشت گردوں سے تعلقات رکھنا کوئی مزے کا کام ہے۔"

"میری توبہ، میرے باپ کی توبہ۔" رفیق مستری رو دینے والے انداز میں بولا۔ "لیکن کسی کے ماتھے پر تو نہیں لکھا ہوتا کہ وہ دہشت گرد ہے یا دہشت گردوں کا ساتھی ہے۔"

"ہاں، یہ تو ہے پر بندے کو اپنے طور پر محتاط رہنا چاہیے۔ کسی اجنبی کا کام پکڑو تو اس سے کم سے کم شناختی کارڈ ضرور مانگ لو اور کسی کے بارے میں شک ہو تو پولیس کو اطلاع کرو۔"

"پولیس۔" وہ بدک کر بولا۔ "وہ تو خود مجرموں سے ملی ہوتی ہے، مجھے پکڑ کر لے جائے گی۔"

شامی نے گہری سانس لی۔ تیمور نے پیچھے آنے والی جیپ کی طرف اشارہ کیا۔ شامی بھی سوچ رہا تھا کہ کچھ کرنا چاہیے۔

بارہ کہو ابھی دور تھا۔ یہ پندرہ بیس سال پہلے تک ایک چھوٹی سی آبادی تھی جس میں مقامی لوگ رہتے تھے۔ لیکن اسلام آباد کے وسعت اختیار کرنے کے ساتھ ساتھ آبادی اس کے اطراف میں پھیلنے لگی۔ ایسے میں بارہ کہو میں بھی اسلام آباد میں کام کرنے والے یہاں رہائش اختیار کرنے لگے۔ اب سڑک کے دونوں اطراف میں خاصی خوب صورت آبادیاں بن گئی تھیں۔ انہیں دائیں طرف جانا تھا۔ کچھ دیر بعد بارہ کہو کی آبادی آگئی۔ یہاں سڑک تنگ اور تجاوزات سے بھرپور تھی۔ سڑک کے ساتھ اندر آبادی میں جانے کے لیے چھوٹی چھوٹی گلیاں تھیں جہاں سے گاڑیاں نکالنا بہت مشکل تھا۔ شامی پہلے آنے والے کٹ سے مڑ سکتا تھا لیکن اس نے مڑنے کے بجائے سیدھا سفر جاری رکھا۔ رفیق مستری نے مداخلت کی۔

"جناب! اس طرف سے مڑنا ہے۔"

"چپ کرکے بیٹھو۔" شامی غرایا۔ اسی لمحے اس نے ایک گلی سے بڑے سائز کا ٹرک برآمد ہوتے دیکھا۔ یہ چارے والا ٹرک تھا اور اس پر چارا لدا ہوا تھا۔ گلی اتنی تنگ تھی کہ ٹرک سڑک پر آئے بغیر مڑ ہی نہیں سکتا تھا اس لیے وہ سیدھا ہی آرہا تھا۔ اس کی وجہ سے کچھ دیر میں سڑک بند ہوجاتی۔ شامی نے ٹرک کو نکلتے دیکھا اور اس نے فوری فیصلہ کیا۔

ایکسلریٹر پر دباؤ ڈالا تو کار اچھل کر آگے گئی۔ باقی سوچ رہے تھے کہ شامی رک جائے گا کیونکہ ٹرک نصف سڑک پر آچکا تھا اور اب گزرنے کے لیے بہت تھوڑی جگہ باقی رہ گئی تھی۔ رفیق مستری کے منہ سے چیخ نکلی کیونکہ ٹرک کی رفتار بھی کم نہیں ہوئی تھی۔ کار تیزی سے تھوڑے سے خلا سے نکلی اور ٹرک سے ٹکرانے سے بال بال بچی۔ تیمور نے ردِعمل ظاہر نہیں کیا لیکن جوجی دہل کر رہ گیا۔ رفیق مستری کی تو حالت بری تھی۔ اس نے لرزتے لہجے میں کہا۔

''وہ تو نہیں ماریں گے لیکن آپ کے ساتھ رہا تو آج زندہ گھر نہیں جاؤں گا۔''

''انشاء اللہ۔'' شامی نے کہا۔ ''یعنی اگر اللہ نے چاہا تو...''

اس نے رفتار تیز کی۔ اس دوران میں ٹرک سڑک پر پوری طرح قابض ہو گیا تھا اور تعاقب میں آنے والی جیپ کے نکلنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ وہ وہیں پھنس گئی تھی۔ شامی نے آنے والے کٹ سے کار موڑی اور واپس چل پڑا۔ یہ سڑک خالی تھی اور اس طرف تجاوزات بھی اتنی نہیں تھیں اس لیے وہ تیزی سے ڈرائیو کر سکتا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ ٹرک کے پاس سے گزرے جہاں جیپ اور دوسری کئی گاڑیوں والے پھنسے ہوئے تھے۔ جیپ والوں نے یقیناً کار دیکھ لی تھی۔ تیمور نے پلٹ کر دیکھا۔

''اس سے دو بندے اتر کر اس طرف آرہے ہیں۔''

سڑک کے درمیان کنکریٹ کے بیریئر لگے تھے۔ وہ بندے اس طرف تو آگئے لیکن وہ کار کا پیچھا نہیں کر سکتے تھے۔ شامی نے رفتار مزید تیز کی۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ پیچھے آنے والے انہیں اس طرف مڑتا دیکھیں جہاں شفقت کا ٹھکانا تھا۔ کھیل کچھ تو ان کی سمجھ میں آگیا تھا اور باقی شاید شفقت سے مل کر سمجھ میں آجاتا۔

☆☆☆

صوبی کم عمر تھی لیکن اتنی نادان نہیں تھی کہ سرمد کے عزائم نہ سمجھ سکتی۔ جب وہ اس کے باپ اور رشید بلا سے بات کر رہا تھا تو اس کے انداز سے لگ رہا تھا کہ وہ بات کرتے ہی اس پر ٹوٹ پڑے گا۔ لیکن نہ جانے کیا بات تھی کہ اپنے عزائم واضح کرنے کے باوجود اس نے صوبی پر مزید توجہ نہیں دی تھی۔ البتہ اس کے منہ سے ٹیپ اتار دیا تھی۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا اور فکر مند تھا۔ صوبی اسے مخاطب کرتے ہوئے ڈر رہی تھی کہ نہ جانے اس کا ردِعمل کیا ہو اور وہ اپنے ناپاک ارادوں پر عمل نہ شروع کردے۔ پھر اسے جوجی کا خیال آیا۔ اس نے تڑپ کر پوچھا۔

''جوجی کہاں ہے؟''

وہ مسکرایا۔ ''بڑی دیر بعد خیال آیا تمہیں اپنے یار کا۔''

شفقت گھٹیا زبان استعمال کر رہا تھا۔ اس وقت اس کی شخصیت پر چڑھا ہوا نقاب اتر گیا تھا اور اس کے اندر کا اصل شفقت نکل آیا تھا۔ ''میں نے اسے تمہارے باپ کے آدمیوں کے حوالے کیا تھا لیکن وہ نکمے نکلے۔ جوجی ان کو چکما دے کر بھاگ گیا۔''

صوبی نے اطمینان کا سانس لیا۔ اسے بخوبی اندازہ تھا کہ جوجی اس کے باپ کے ہاتھ آجاتا تو وہ اس کا کیا حشر کرتا۔ شفقت اس کے تاثرات سے چڑ گیا۔ ''لیکن فکر مت کرو، جلد یا دیر سے ہاتھ آئے گا اور وہ ہاتھ نہ بھی آیا تو آج تمہارا باپ اور رشید آپس میں لڑ مریں گے اور میں یہی چاہتا ہوں۔ باقی سزا میں تمہارے ذریعے دوں گا۔ رشید کے لیے تمہاری کوئی حیثیت نہیں ہے بلکہ شاید اسے خوشی ہوتی لیکن اکرم تمہارا باپ ہے اور جوجی تمہارا محبوب ہے۔ وہ یقیناً ہمیشہ اس آگ میں جلتے رہیں گے۔''

''تم صرف اپنے باپ کا بدلہ لینے کے لیے یہ سب کر رہے ہو؟''

''ہاں، مجھے اس سے محبت تھی۔ اس دنیا میں ایک وہی تو میرا سب کچھ تھا۔ تمہیں یا کسی کو نہیں معلوم میری ماں ایک بری عورت تھی۔ وہ میرے باپ کو دھوکا دے کر کسی اور سے تعلق رکھتی تھی۔ جب میرے باپ کو پتا چلا تو اس نے میری ماں کی گردن کاٹ ڈالی اور مجھے لے کر یہاں آگیا۔ وہ پولیس سے چھپتا پھر رہا تھا۔ پھر اکرم موجی نے اسے پناہ دی۔ لیکن پناہ کے نام پر اس نے اسے یرغمال اور پھر غلام بنا لیا۔ میرا باپ اس کے اشارے پر تمام برے کام کرتا رہا۔ اس نے چوریاں کیں، ڈاکے ڈالے، حد یہ کہ اکرم کے دشمنوں کو قتل کیا لیکن جواب میں اسے کچھ نہیں ملا۔ اس نے مجھے خود سے الگ رکھا تاکہ اس کی جرائم پیشہ زندگی کا سایہ مجھ پر نہ پڑے لیکن اکرم نے میرا پتا بھی چلا لیا اور اس نے میرے باپ کو مجبور کیا کہ وہ مجھے بھی جرائم کی دنیا کے اسرار اور رموز سکھائے تاکہ میں بھی اس کے لیے کام کر سکوں۔ میرا باپ مجبور تھا۔ انکار نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے مجھے بھی شامل کر لیا لیکن ساتھ ہی اس نے مجھے سمجھایا کہ جیسے ہی موقع ملے میں فرار ہو جاؤں۔

''پھر میرا باپ ایک معمولی جھگڑے میں رشید بلا کے ہاتھوں مارا گیا۔ اکرم نے اسے زبردستی رشید کے سامنے بھیجا تھا اور اس نے بھی ایک آدمی پر رحم نہیں کھایا۔ باپ کے مرنے کے بعد بھی میں اکرم کو نہیں چھوڑ سکا لیکن میں موقع کا انتظار کر رہا تھا۔ پھر مجھے موقع ملا اور میں غائب ہو گیا۔ میں یہاں نہیں رہ سکتا تھا ورنہ تمہارا باپ مجھے نہ چھوڑتا۔ اب میں اس قابل ہوں کہ اپنا انتقام لے سکوں۔''

شفقت نے بات کرتے کرتے اچانک اٹھ کر کھڑکی سے ذرا سا پردہ ہٹا کر دیکھا۔ صوبی کو باہر کی ہلکی سی جھلک نظر آئی تھی۔ دور کہیں سرسبز پہاڑیاں تھیں۔ شفقت نے فوراً پردہ برابر کر دیا۔ باہر کے سناٹے سے ایسا لگ رہا تھا جیسے یہ جگہ کسی ویرانے میں ہے لیکن مکان سے لگ رہا تھا کہ باقاعدہ کوئی آباد جگہ ہے۔ یہاں بجلی تھی۔ صوبی کو شفقت کے چہرے پر فکر کے تاثرات نظر آئے جیسے اس نے باہر کچھ دیکھا ہو۔ پھر وہ تیزی سے میز کی طرف آیا اور اس نے اپنا پستول اٹھا لیا۔

''کیا بات ہے باہر کوئی ہے؟'' صوبی نے امید سے پوچھا۔

''چپ رہو۔'' وہ کسی بھیڑیے کی طرح غرایا اور اس نے پاس آکر صوبی کے منہ پر ایک بار پھر ٹیپ لگا دیا۔ اس کے بعد وہ دبے قدموں چلتا ہوا دروازے سے باہر نکل گیا۔ صوبی کا خیال تھا کہ لاؤنج کا دروازہ باہر کھل رہا ہوگا لیکن اس کا خیال غلط نکلا کیونکہ وہ ایک بند کمرے میں کھلا تھا اور وہاں نیم تاریکی تھی۔ شفقت نے جاتے ہوئے دروازہ پیچھے سے بند کر دیا۔ اس کے جاتے ہی صوبی سیدھی ہو کر بیٹھ گئی اور تیزی سے لاؤنج میں چاروں طرف نظریں دوڑائیں۔ اسے کسی ایسی چیز کی تلاش تھی جس سے خود کو آزاد کر سکے۔ مگر فی الحال ایسی کوئی چیز نظر نہیں آئی۔ وہ جس کرسی پر بندھی بیٹھی تھی، وہ مضبوط لکڑی کی بنی ہوئی تھی اور اسے توڑنا کسی صورت اس کے بس کی بات نہیں تھی۔ یہاں ایک صوفہ سیٹ کے ساتھ میز تھی اور اس پر ایش ٹرے رکھی تھی۔

صوبی نے پاؤں کی مدد سے کرسی کھسکانے کی کوشش کی تو اسے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ کرسی کھسک رہی ہے۔ وہ کسی قدر طویل قد کی مالک تھی اور شاید یہی وجہ تھی کہ اپنی عمر سے بڑی نظر آتی تھی۔ فرش پر کارپٹ تھا لیکن کرسی کے گول چکنے پائے اس پر آسانی سے حرکت کر رہے تھے۔ اگر یہی پائے چوکور اور سپاٹ ہوتے تو کرسی الجھ کر گر جاتی۔ وہ کرسی کو لاؤنج کے کچن والے حصے تک لے جا رہی تھی۔ یہاں ایک چھوٹی سی دیوار جس پر ماربل کا تختہ لگا تھا، کچن کو لاؤنج سے جدا کرتی تھی۔ وہ دروازہ کچن کے پاس ہی تھا جس میں شفقت غائب ہوا تھا۔ صوبی کا خیال تھا کہ اس نے کھڑکی سے مکان کے باہر کسی کو دیکھا ہے اور اسے خطرہ محسوس ہوا تھا اسی لیے وہ پستول لے کر باہر گیا تھا۔ کرسی کھسکانے کے ساتھ ساتھ وہ دل ہی دل میں دعا کر رہی تھی کہ باہر پولیس یا اس کے پاپا کے آدمی آگئے ہوں۔ اسے یہ خیال تو آیا ہی نہیں تھا کہ اگر وہ گھر واپس پہنچ گئی تو اس کا باپ خود اسے زندہ نہیں چھوڑے گا۔ مگر اس وقت اس کے ذہن میں سوائے اس کے اور کچھ نہیں آرہا تھا کہ کسی صورت اس شخص کے چنگل سے نکل جائے جو اس کی عزت کے درپے تھا۔ مستقل کوشش سے آخر کار وہ کچن تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئی۔ اندر جانے کا راستہ چھوٹا تھا اور سامنے شیلف پر کئی طرح کی چھریاں اور گوشت سبزی کاٹنے والے چھوٹے چاقو رکھے تھے۔ لیکن جب اس نے کرسی کھسکا کر اندر جانے کی کوشش کی تو اسے پتا چلا کہ کرسی بڑی ہے اور اندر جانے کا راستہ چھوٹا تھا۔

☆☆☆

شامی، رفیق مستری کی راہنمائی میں ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ وہ مری روڈ سے تقریباً ایک کلومیٹر اندر آچکے تھے۔ شروع میں گھنی آبادی تھی لیکن اس کے بعد آبادی کم ہوتی چلی گئی اور اکا دکا مکانات نظر آنے لگے۔ بعض مقامات پر تو ایک ہی مکان نظر آیا تھا اور اس کے آس پاس دور تک کوئی مکان نہیں تھا۔ ابھی وہ سڑک پر نیچے تھے کہ رفیق مستری نے اوپر کی طرف جانے والی ایک چھوٹی ذیلی سڑک سے ذرا دور ایک احاطے کی طرف اشارہ کیا۔

''وہ مکان ہے جی۔''

شامی نے کار روکی نہیں لیکن رفتار سست کر دی۔ یہ خاصا بڑا احاطہ تھا، کوئی ایک کنال کا اور اس کے آس پاس اونچائی تک زمین بالکل خالی پڑی تھی۔ احاطے کے سامنے ایک بڑا سا فولادی گیٹ تھا جس پر کنکریٹ کی آرچ بنی ہوئی تھی اور اندر سرخ کھپریل کی چھت نظر آرہی تھی لیکن بہت تھوڑی سی دکھائی دے رہی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے احاطے کے اندر چھوٹی سی عمارت ہو۔ ذرا آگے نکل کر شامی نے رفیق مستری سے کہا۔

''تمہیں یقین ہے یہی عمارت ہے؟''

''بالکل جی، اس کا گیٹ دیکھا ہے، اس پر شیر کا سر بنا ہوا ہے۔ میں اسی کے سامنے شفقت کی کار چھوڑ کر گیا تھا۔ اس وقت گیٹ پر تالا لگا تھا اور اب تالا نہیں ہے۔''

یہ تو شامی اور تیمور نے بھی دیکھ لیا تھا کہ گیٹ پر تالا نہیں ہے۔ جوجی بے چین ہو رہا تھا، اس نے کہنا چاہا۔ ''جناب! جلدی کریں کہیں وہ...''

''برخوردار! تم سے زیادہ ہمیں جلدی ہے۔'' تیمور نے اس کی بات کاٹ کر کہا اور ساتھ ہی اس کا ہاتھ بھی دبا دیا۔ اسے

خیال آیا کہ کہیں جوجی کے منہ سے کوئی ایسی بات نہ نکل جائے جس سے رفیق مستری پران کی اصلیت کھل جائے۔ ویسے اس سے انہیں کوئی نقصان تو نہیں ہوتا لیکن ان کے کام میں رکاوٹ پڑسکتی تھی۔ اس خالی جگہ پر کہیں کہیں درخت اور جھاڑیاں تھیں لیکن مجموعی طور پر زمین صاف تھی اور اگر وہ براہِ راست احاطے کی طرف جاتے تو امکان تھا کہ انہیں دیکھ لیا جاتا۔ اس لیے شامی کار آگے نکال کر لے گیا اور جب احاطہ نظروں سے اوجھل ہو گیا تو شامی نے ایک جگہ کار روک لی۔ تیمور اور جوجی نیچے اتر آئے۔ تیمور نے شامی سے کہا۔

''تم اس کے ساتھ یہیں رکو، میں اسے لے کر ذرا معائنہ کر کے آتا ہوں۔''

شامی نے سر ہلایا۔ وہ رفیق مستری کو اکیلا چھوڑنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے۔ وہ تو دو گیارہ ہو جاتا اور اگر پتا غلط نکلتا تو وہ لکیر پیٹتے رہ جاتے، اس لیے شامی رک گیا۔ تیمور اور جوجی ڈھلان سے ہوتے ہوئے اوپر جانے لگے۔ یہاں ڈھلان کچھ زیادہ ہی ہو گئی تھی اس لیے انہیں محنت کرنا پڑ رہی تھی۔ تیمور کا جسم مضبوط تھا لیکن اس کا اسٹیمنا زیادہ اچھا نہیں تھا اس لیے وہ ہانپنے لگا۔ ''مروا دیا یار تم نے۔''

''مجھے صوبی کا خیال ہے۔'' جوجی بولا، اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اڑ کر احاطے کے اندر پہنچ جائے۔ کچھ دیر میں احاطہ نظر آنے لگا وہ اس کے پہلو سے نمودار ہوئے تھے اور یہاں سے انہیں اندر کا حال بہتر دکھائی دے رہا تھا۔ اندر سفیدے اور جامن کے درخت لگے ہوئے تھے۔ دیواروں پر پھول دار اور انگور کی بیلیں تھیں۔ احاطے کے پچھلے حصے میں ایک چھوٹی سی عمارت دکھائی دے رہی تھی۔ یہ شاید پورے احاطے کے چوتھائی حصے پر بھی نہیں تھی۔ دائیں طرف کا احاطہ ڈھلان پر تھا اس لیے یہاں زمین دیوار سے زیادہ نیچی نہیں تھی۔ شاید سات فٹ تھی۔ تیمور نے دیوار کے پاس آ کر اردگرد دیکھا۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔ اس نے اچھل کر دیوار پر ہاتھ جمائے اور جوجی سے کہا۔

''میرے پیر پکڑ کر اوپر کرو۔''

جوجی نے اس کے پیروں کو سہارا دے کر اسے اوپر کیا۔ اب تیمور احاطے میں جھانک سکتا تھا۔ اسے فوراً ایک پرانی کیڈی لاک نظر آ گئی۔ یہ شاید ستّر کا ماڈل تھا لیکن آج بھی چلتا ہے اور دیہی علاقوں میں اکثر نظر آتا ہے۔ اس نے جوجی کو کار کے بارے میں بتایا۔ وہ بڑی مشکل سے تیمور کا بوجھ سنبھالے ہوئے تھا۔ لیکن کار کے ذکر نے اسے پُرجوش کر دیا۔

''جی بالکل یہی ہے۔ کیا اس کے دروازے پر شیر کے سر والا اسٹیکر لگا ہوا ہے؟''

''نہیں، ایسا تو کوئی اسٹیکر نہیں ہے۔'' تیمور نے کار کا معائنہ کیا۔ ''لیکن بونٹ پر دائیں طرف ایک پرانے ڈینٹ کا نشان ہے جیسے کسی نے ہتھوڑا مار دیا ہو۔''

''ہاں جی یہی ہے۔'' جوجی مضطرب ہو گیا۔ ''وہ اندر ہی ہے جی اور صوبی بھی اندر ہو گی۔''

تیمور نے عمارت کا معائنہ کیا۔ دائیں طرف ایک چھوٹا سا کمرا بنا ہوا تھا لیکن اس کی ساخت گیراج نما تھی اور اس کے برابر میں دیوار پر ایک کھڑکی تھی اور کھڑکی پر پردے پڑے تھے۔ عمارت میں دو تین کمرے لازمی تھے۔ تعمیر پرانی لیکن ڈیزائن بُرا نہیں تھا۔ عمارت کے اردگرد نہ تو کوئی آواز تھی اور نہ ہی کسی انسان کے آثار دکھائی دیے تھے۔ تیمور نیچے اتر آیا۔

''اندر تو کوئی نظر نہیں آ رہا ہے۔''

''وہ مکان کے اندر ہوں گے جی۔'' جوجی بولا۔

تیمور نے اس کی طرف دیکھا۔ ''سوچ لو... یہ ٹریس پاسنگ کہلاتی ہے اور پکڑے جانے کی صورت میں سزا ہو نہ ہو، عزت افزائی ضرور ہو گی۔''

''تو ہم کیا کریں؟'' جوجی نے تیز لہجے میں کہا۔ ''صوبی اندر ہے، میں اسے ایسے نہیں چھوڑ سکتا۔''

''دیکھو بھائی، تم جذباتی ہو رہے ہو، یہ جرم ہے۔ فرض کرو کہ اندر سے کوئی اور نکل آیا تو پھر کیا ہو گا؟'' تیمور نے اسے سمجھانے کی کوشش کی لیکن وہ سمجھنے کی حد سے گزر گیا تھا۔ اس وقت اس پر ایک ہی دھن سوار تھی کہ کسی طرح صوبی تک پہنچ جائے۔

''ٹھیک ہے، آپ میرے ساتھ نہیں جانا چاہتے تو میں خود چلا جاؤں گا۔'' جوجی نے کہا اور احاطے کی چار دیواری کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ وہ کوئی ایسی جگہ تلاش کر رہا تھا جہاں سے دیوار پھلانگ کر اندر جا سکے۔ تیمور اسے سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا لیکن جب وہ نہیں مانا تو مجبوراً تیمور نے کہا۔

''ٹھیک ہے، میں تمہارے ساتھ اندر جاؤں گا لیکن ایک شرط پر... نہ تو تم میری اجازت کے بغیر کوئی قدم اٹھاؤ گے اور نہ ہی صوبی یا شفقت کو دیکھ کر آپے سے باہر ہو گے۔''

جوجی نے سوچا اور سر ہلایا۔ ''ٹھیک ہے، مجھے منظور ہے۔''

اس دوران میں وہ مکان کے پچھلے حصے تک چلے آئے۔ یہاں زمین اونچی تھی۔ تیمور نے آس پاس کا جائزہ لیا اور کسی کو نہ پا کر چھت پہ ہاتھ جما کر اوپر چڑھ گیا۔ جوجی کو حیرت ہوئی۔ اس نے دبے انداز اور پُرتحسین لہجے میں کہا۔

''واہ جی، آپ کو تو بڑی مہارت ہے۔''

''اب تم بھی اوپر آ جاؤ۔'' تیمور نے ہاتھ نیچے کیا اور سہارے کے لیے گرل پکڑ لی۔ ''لیکن مہربانی کر کے اب زبان بند رکھنا اور بلاضرورت بولنے سے گریز کرنا۔''

جوجی نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ جسامت سے قطع نظر اس کا وزن اچھا خاصا تھا۔ لیکن تیمور نے کسی نہ کسی طرح اسے اوپر کھینچ لیا۔ جوجی نے اس کے کان میں کہا۔ ''آپ خود اتنا بول رہے ہیں۔''

تیمور نے اسے گھورا۔ واش رومز کی چھت کمروں کی چھت سے ذرا نیچی تھی۔ وہ اس پر چڑھ گئے۔ یہ ڈھلان اتنی نہیں تھی کہ ان کے لیے مشکل پیش آتی۔ یہ اصل کھپریل نہیں تھی بلکہ کنکریٹ کی چھت کو یہ شکل دی گئی تھی اس لیے وہ بہ آسانی سے اس پر قدم جماتے چلے گئے۔ اوپر پہنچ کر انہوں نے دوسری طرف جھانکا تو احاطے کا تھوڑا سا حصہ نظر آ رہا تھا۔ مزید نیچے دیکھنے کے لیے ان کو آگے جانا تھا۔ تیمور نے جوجی سے وہیں رکنے کو کہا اور خود چھت کے دوسری طرف اترنے لگا۔ اس میں خطرہ تھا کہ اگر کوئی صحن میں آتا اور ذرا آگے سے چھت کی طرف دیکھتا تو تیمور اسے آسانی سے نظر آ جاتا۔ چھت کے کنارے جاتے ہوئے تیمور کو محسوس ہوا کہ اس کا اندازہ اس ڈھلان کے بارے میں درست نہیں تھا۔ یہ زیادہ ترچھی تھی اور اس کی ذرا سی غفلت اسے نیچے صحن میں پہنچا سکتی تھی۔ ابھی وہ درمیان میں تھا کہ اسے صحن میں کسی کی حرکت محسوس ہوئی اور پھر شفقت نکل کر سامنے آیا۔ تیمور کو اسے شناخت کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی کیونکہ جوجی نے اس کا حلیہ تفصیل سے بتایا تھا۔ اہم بات یہ تھی کہ اس کے ہاتھ میں ایک عدد سیاہ پستول تھا اور تیمور چھت کے درمیان تھا۔ اگر وہ سر اٹھا کر دیکھتا تو تیمور کے چھپنے کے لیے کوئی جگہ نہیں تھی، وہ چھت کے ساتھ لگ کر لیٹ گیا۔

☆☆☆

تیمور اور جوجی کے جانے کے بعد شامی رفیق مستری کے ساتھ کار میں موجود تھا لیکن اسے بے چینی ہو رہی تھی۔ وہ جاننا چاہتا تھا کہ تیمور کیا کر رہا ہے اور رفیق کو بھی چھوڑ کر نہیں جا سکتا تھا۔ وہ بھی جانا چاہتا تھا، اسے ڈر تھا کہ کہیں تیمور کسی مشکل میں نہ پڑ جائے۔ وہ دونوں مل کر بہت آسانی سے کام کر لیتے تھے۔ اچانک اسے ایک خیال آیا۔ اس نے رفیق سے کہا۔

''نیچے اترو۔''

رفیق خوف زدہ ہو گیا۔ ''کیوں جی؟''

''کیوں جی کے بچے۔'' شامی نے غرا کر کہا۔ ''جو کہا ہے وہ کرو۔''

رفیق نیچے اتر آیا۔ شامی نے کار کی ڈکی کھولی اور اسے حکم دیا۔ ''اندر لیٹ جاؤ۔''

اس بار رفیق مستری نے بے چون و چرا حکم کی تعمیل کی۔ شاید وہ سمجھ گیا تھا کہ وہ اسے بند کر کے جانا چاہ رہا ہے تاکہ وہ بھاگ نہ سکے۔ وہ اندر سے ڈکی نہیں کھول سکتا تھا۔ لیکن شامی کے جانے کے بعد ہاتھ پاؤں چلا کر کسی کو متوجہ تو کر سکتا تھا اس لیے وہ خاموشی سے لیٹ گیا... ڈکی آٹومیٹک طریقے سے لاک اور اَن لاک ہوتی تھی اس لیے اس کے کھلنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ شامی جانتا تھا کہ اس کا لاک مضبوط ہے اور رفیق اسے اندر سے نہیں کھول سکے گا۔ شامی نے ڈکی بند کرنے سے پہلے کہا۔

''اب تم خاموشی سے یہاں لیٹو۔ میں کچھ دیر میں آتا ہوں۔''

شامی جھاڑیوں اور درختوں کے درمیان سے ہوتا ہوا احاطے کی طرف بڑھنے لگا۔ اس کا شروع میں اس معاملے میں شامل ہونے کا ارادہ نہیں تھا بلکہ یہ تیمور تھا جس کی وجہ سے وہ ساتھ رہا۔ مگر اب وہ اس میں پوری طرح دلچسپی لے رہا تھا۔ ویسے بھی پیچھے ہٹنا ان کی سرشت میں شامل نہیں تھا۔ وسط ایشیا سے ان کے آبا و اجداد گھوڑے دوڑاتے ہوئے واپس نہ جانے کے عزم کے ساتھ آئے تھے۔ وہی ارادے اب تک ان کے خون میں شامل تھے۔ احاطہ نظر آتے ہی شامی محتاط ہو گیا۔ چاروں طرف خالی جگہ ہونے کی وجہ سے کوئی بھی شخص... بہ آسانی دیکھا جا سکتا تھا۔ اسے تیمور اور جوجی نظر نہیں آئے مگر جیسے ہی اس نے مکان کے اوپر دیکھا، اسے تیمور نظر آ گیا۔ وہ چھت کے اگلے حصے کی ڈھلان پر لیٹا ہوا تھا اور یوں ساکت تھا جیسے کسی کی نظروں میں آنے سے بچنے کی کوشش کر رہا ہو۔ پہلے تو شامی کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کس کی نظروں سے بچنے کی کوشش کر رہا ہے پھر اس کی سمجھ میں آ گیا کہ کوئی شخص صحن میں موجود ہے اور تیمور اس کی نظروں سے بچ رہا ہے۔ شامی نے غور کیا۔ تیمور سامنے کے رخ سے نہیں چڑھ سکتا تھا۔ وہ یقیناً پیچھے سے گیا تھا اور شاید جوجی بھی وہیں کہیں تھا۔ وہ دیوار کے ساتھ چلتا ہوا عقبی حصے کی طرف آیا تو اس کے خیال کی تصدیق ہو گئی۔ یہاں اسے چھت کے پچھلے حصے میں جوجی نظر آ گیا، وہ بھی دبکا ہوا تھا۔ شامی نے ہلکی سی شش کی آواز نکال کر اسے متوجہ کیا۔ جوجی نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا اور سرکتا ہوا کنارے تک آ گیا۔

''آپ بھی یہاں آ گئے؟''

''ہاں، تیمور آگے ہے... صحن میں کوئی ہے۔''

”مجھے نہیں معلوم جی، انہوں نے مجھے آگے آنے سے منع کیا ہے۔“ وہ بے چینی سے بولا۔ ”آپ نے اس آدمی کو کہاں چھوڑا؟“

”ڈکی میں بند کر کے آیا ہوں۔“ شامی نے کہا اور اچھل کر منڈیر پکڑلی۔ جوجی نے بھی اس کی مدد کی اور وہ اوپر چڑھ گیا۔ یہاں اوپر پہاڑی تک کوئی گھر نہیں تھا اس لیے کسی کے دیکھ لینے کا امکان بھی نہیں تھا۔ وہ دونوں چھپکلی کی طرح چھت سے چپک کر چلتے ہوئے اوپر پہنچے تو دوسری طرف تیمور نہیں تھا۔ وہ غائب تھا۔

☆☆☆

صوبی انتہائی کوشش کر رہی تھی کہ کسی طرح کرسی اس خلا سے گزار کر کچن تک رسائی حاصل کر لے جہاں کئی چھریاں چاقو تھے اور وہ ان کی مدد سے خود کو آزاد کرا سکتی تھی۔ مگر خلا تنگ تھا، کرسی اس میں پھنس رہی تھی۔ صوبی پیروں کے سہارے کھڑی تھی اس کے پاؤں کا ٹیپ ڈھیلا ہو گیا تھا۔ وہ اب واپس بھی نہیں جا سکتی تھی اور نہ کرسی کو نیچے رکھ سکتی تھی۔ سارا زور اس کے پیروں پر آرہا تھا۔ وہ کمزور لڑکی تھی، ذرا سی دیر میں تھکنے لگی۔ اچانک اسے آہٹ سنائی دی۔ سرمد (شفقت) واپس آرہا تھا۔ صوبی پھر کوشش کرنے لگی لیکن اس سے پہلے کہ وہ خود کو اس جگہ سے نکال پاتی دروازہ کھلنے کی آواز آئی اور شفقت اندر آگیا۔ وہ مارے خوف کے ساکت ہوگئی۔ اسے معلوم تھا کہ وہ اس کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کرے گا اور خاص طور سے صوبی کی آزاد ہونے کی کوشش اسے مشتعل کر دے گی۔ اس نے جدوجہد ترک کر کے خود کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔ قدموں کی آہٹ قریب آئی اور پھر اس نے ایک مردانہ آواز سنی۔

”یہ کیا ہے؟“ لیکن آواز سرمد کی نہیں تھی۔ صوبی نے پیچھے دیکھنے کی کوشش کی لیکن یہ بھی ممکن نہیں تھا پھر آدمی اس کے قریب آیا۔ اس نے آہستہ سے کہا۔ ”ہلنا مت... میں تمہارا ہمدرد ہوں۔ ابھی تمہیں آزاد کرتا ہوں۔“

اس نے معائنہ کر کے پہلے اسے کرسی سمیت پیچھے کھینچ لیا اور پھر آرام سے اس کے ہاتھوں اور پیروں کو ٹیپ سے آزاد کر دیا۔ صوبی نے جلدی سے منہ سے خود ٹیپ اتارا اور اس نوجوان شخص کی طرف دیکھا۔ ”وہ یہیں ہے، ابھی واپس آجائے گا۔“

”مجھے معلوم ہے۔“ نوجوان نے کہا۔ ”اس کے آنے سے پہلے ہمیں یہاں سے نکلنا ہوگا۔“

”تم... کون ہو؟“ صوبی خوف زدہ تھی۔ وہ کسی پر آسانی سے اعتماد کرنے کے لیے تیار نہیں تھی۔

”میرا نام تیمور ہے اور میں جوجی کے ساتھ یہاں آیا ہوں۔ اسے تمہاری تلاش ہے۔“

”جوجی۔“ صوبی بے چین ہوگئی۔ ”وہ کہاں ہے؟“

”باہر موجود ہے۔“ تیمور نے کہا اور اسے وہیں رکنے کا اشارہ کرتا ہوا اس کمرے کی طرف بڑھا جس سے گزر کر وہ یہاں آیا تھا۔ وہ چھت پر تھا جب اس نے شفقت کو باہر جاتے دیکھا۔ وہ گیٹ کھول کر نکل گیا تھا اور تیمور موقع غنیمت جان کر نیچے کود گیا۔ آگے والے کمرے کی چھت زمین سے صرف ساڑھے چھ فٹ اوپر تھی اور نیچے زمین بھی کچی تھی اس لیے اسے کودنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ نیچے اترتے ہی وہ اندر گھس آیا کیونکہ اس کا خطرہ تھا کہ شفقت کسی وقت بھی واپس آجائے گا۔ اس کے پاس یہی چند لمحے تھے کہ وہ اندر کا معائنہ کر سکے۔ پہلا کمرا خالی اور شاید گیراج ہوتا تھا۔ اس سے گزر کر وہ لاؤنج میں آیا اور پھر اس نے صوبی کو کچن میں داخل ہونے والی جگہ پھنسے پایا۔ وہ اسے دیکھتے ہی پہچان گیا۔ اب اسے یہاں سے لے کر نکلنا تھا لیکن اس سے پہلے وہ اطمینان کر لینا چاہتا تھا کہ شفقت واپس تو نہیں آیا ہے۔ جیسے ہی اس نے گیراج کے دروازے سے باہر دیکھا اسے شفقت تیزی سے واپس آتا دکھائی دیا۔ اسے دیکھتے ہی تیمور اندر کی طرف بھاگا۔ صوبی اس کا انداز دیکھ کر ہی ہراساں ہوگئی، اس نے پوچھا۔

”کیا ہوا؟“

”وہ آگیا ہے۔“ تیمور نے کہا اور اسے کھینچ کر اندر لے جانے لگا۔ اسی لمحے باہر کا دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔

☆☆☆

شفقت سکہ بند مجرم تھا اور اس کی چھٹی حس تیز تھی، اس چھٹی حس نے کئی مواقع پر اس کی جان بچائی تھی اور خطروں سے پیشگی خبردار کیا تھا۔ اس وقت بھی اس کی چھٹی حس خبردار کر رہی تھی، اسی وجہ سے باہر نکل آیا۔ اسے لگ رہا تھا کہ خطرہ آس پاس ہی کہیں موجود ہے۔ اس نے پستول بھی لیا اور باہر صحن میں نکل آیا۔ باہر اسے کوئی نظر نہیں آیا لیکن اس کی چھٹی حس مسلسل خبردار کر رہی تھی۔ اس نے صحن میں موجود درختوں کا جائزہ لیا۔ پھر وہ گیٹ کی طرف بڑھا۔ یہ جگہ بہت محفوظ تھی۔ اس نے بہت پہلے یہ زمین خریدی تھی اور اس پر یہ عمارت بھی بنی ہوئی تھی۔ اس نے اسے بہتر کرایا تھا اور کچھ تبدیلیاں کی تھیں۔ یہاں وہ مہینوں دوسروں کی نظروں سے چھپ کر رہ سکتا تھا۔ اسے حلیہ بدلنا آتا تھا۔ یہ معاملہ نمٹ جاتا تو وہ اپنا حلیہ تبدیل کر لیتا اور شفقت ہمیشہ کے لیے غائب ہو جاتا۔ اس

نے ساٹھ لاکھ سے زیادہ رقم حاصل کر لی تھی لیکن اصل چیز وہ انتقام تھا جو اس نے اکرم موجی اور رشید بلا سے لیا تھا۔ وہی اس کے باپ کی موت کے ذمے دار تھے۔

وہ گیٹ سے باہر آیا۔ یہاں بھی دور تک کوئی نہیں تھا۔ وہ کچھ دیر سامنے رہا پھر گھوم کر دائیں طرف آیا۔ یہاں بھی کوئی نہیں تھا اور جب وہ عقب سے گھوم کر دوبارہ سامنے کی طرف آرہا تھا، تب اس نے نیچے سڑک پر کئی گاڑیاں نمودار ہوتے دیکھیں اور پھر کچھ ایسی ہی گاڑیاں اسی سڑک کے مخالف سمت سے نمودار ہوئیں۔ انہیں دیکھ کر شفقت کو خطرے کا احساس ہوا۔ اس نے اپنی جیب سے ایک چھوٹی نلکی نما دوربین نکالی۔ یہ قریب کی کسی چیز کو واضح دیکھنے کے لیے اچھی تھی اور اتنی مختصر تھی کہ آسانی سے جیب میں سما جاتی۔ اس نے دوربین سے گاڑیوں کا جائزہ لیا تو اس کے ہوش اڑ گئے کیونکہ ایک طرف آنے والی گاڑیوں میں اسے رشید بلا اور اس کے ساتھی نظر آئے تھے جبکہ دوسری طرف سے آنے والے گاڑیوں میں اکرم موجی اور اس کے بدمعاش تھے اور وہ سب پوری طرح مسلح نظر آرہے تھے۔ شفقت تیزی سے گیٹ کی طرف لپکا اور اندر داخل ہو کر اس نے اسے بند کر لیا۔ ابھی انہوں نے اسے نہیں دیکھا تھا۔ گاڑیاں آمنے سامنے رک گئی تھیں اور اس کے مکان سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھیں۔

وہ پاگل ہونے لگا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ دونوں بیک وقت یہاں کیسے پہنچ گئے۔ اس میں ذرا شبہ نہیں تھا کہ وہ اس کے ٹھکانے سے واقف ہو گئے تھے اور جلد وہ یہاں ہوتے۔ ان میں سے کوئی اس کے قتل سے کم کسی چیز پر راضی نہ ہوتا۔ اس کی جان خطرے میں تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ یہاں آتے اُس کا جلد از جلد نکل جانا ضروری تھا۔ وہ اندر کی طرف لپکا۔ جانے سے پہلے وہ مال اٹھاتا اور صوبی کو اس دنیا سے رخصت کرنا چاہتا تھا۔ اس نے صوبی کے بارے میں جو سوچا تھا، اس پر عمل درآمد کے لیے وقت نہیں تھا لیکن وہ اسے قتل تو ضرور کر سکتا تھا۔ مگر جب اس نے گیراج کے کمرے کا دروازہ دیکھا تو اسے کھلا پایا حالانکہ وہ اسے جاتے ہوئے بند کر گیا تھا۔ پھر اسے کس نے کھولا؟ وہ یک دم محتاط ہو گیا۔ اس نے پستول آگے کیا اور تیزی سے اندر داخل ہوا لیکن اس کمرے میں کوئی نہیں تھا۔ وہ پوری خاموشی اور احتیاط کے ساتھ لاؤنج میں آیا اور یہاں اس نے خالی کرسی اور کھلا ہوا ٹیپ دیکھ لیا۔ بے ساختہ اس کے منہ سے ایک گالی نکلی اور وہ پلٹ کر صحن میں آیا لیکن صحن پہلے کی طرح خالی تھا۔ صوبی کسی طرح نکل گئی تھی اور اس کے پیچھے جانے کا وقت بالکل نہیں تھا۔ وہ اندر کی طرف لپکا اور ایک بیڈ روم میں گھس گیا۔ یہاں ایک چھوٹی سی فولادی الماری تھی۔ اس نے الماری کھولی اور اس میں رکھا ایک اسکول بیگ نکال کر اپنی پشت سے باندھ لیا۔ اس بیگ میں اس کا تمام اثاثہ تھا۔ پھر اس نے الماری میں رکھے اپنے پستول کے اضافی میگزین بھی نکال کر جیب میں رکھے۔ یہ کام کر کے وہ باہر نکل آیا۔

اسی لمحے باہر سے ایک فائر ہوا پھر دوسرا اور اس کے بعد تو جیسے محاذ جنگ کھل گیا۔ شفقت مسکرایا۔ صوبی اس کے ہاتھ سے نکل گئی تھی۔ وہ چالاک لڑکی نہ جانے کیسے یہاں سے نکلی لیکن اب اسے اس کی پروا بھی نہیں تھی۔ وہ جو چاہتا تھا وہ ہو گیا تھا۔ رشید اور اکرم آپس میں لڑ پڑے تھے اور امکان تھا کہ ان میں سے کوئی مارا جائے گا لیکن اگر وہ بچ جاتے تب بھی شفقت زندہ ہوتا اور وہ ان سے پھر انتقام لینے کی کوشش کر سکتا تھا۔ وہ گیراج والے کمرے کے لگے سفیدے کے درخت تک آیا اور اس کے تنے پر پاؤں رکھتا ہوا اوپر چڑھ گیا۔ چھت پر آکر اس نے چاروں ہاتھوں پیروں کے بل رینگتے ہوئے عقبی حصے کا رخ کیا۔

جب وہ چھت کی چوٹی تک آیا تو اس نے پلٹ کر نیچے سڑک کی طرف دیکھا۔ یہاں سے کسی قدر دکھائی دے رہا تھا۔ دونوں پارٹیاں اپنی گاڑیوں کی آڑ میں ایک دوسرے پر گولیاں برسا رہی تھیں۔ وہ مسکرایا مگر جب اس نے چھت کے دوسری طرف جھانکا تو اس کی مسکراہٹ کافور ہو گئی۔ اس کے سامنے جوجی موجود تھا صرف جوجی نہیں بلکہ ایک نوجوان اور بھی تھا۔ شفقت انہیں دیکھ کر اتنا حیران ہوا کہ پستول نکالنا بھول گیا۔ جب اسے پستول کا خیال آیا اور اس کا ہاتھ جیب کی طرف بڑھا تو اسی وقت نوجوان نے ہاتھ بڑھا کر اسے دھکا دے دیا۔ شفقت نے سنبھلنے کی کوشش کی لیکن یہاں ڈھلان زیادہ تھی۔ وہ لڑھکتا ہوا کنارے تک آیا اور پھر دھماکے سے نیچے جا پڑا۔ اس کا سر کسی چیز سے ٹکرایا اور پھر اسے ہوش نہیں رہا۔

شامی اور جوجی نے اسے چھت پر آتے دیکھ لیا تھا اور دونوں کو بالترتیب تیمور اور صوبی کی سلامتی کی فکر لاحق ہو گئی تھی۔ اگر شفقت اتنے مزے سے فرار ہو رہا تھا تو وہ دونوں کہاں تھے؟ اوپر سے انہوں نے فائرنگ کی آواز سنی تھی لیکن یہ فائرنگ کن کے درمیان میں ہو رہی تھی، وہ اس سے ناواقف تھے۔ شفقت کے نیچے جاتے ہی شامی نے جوجی سے کہا۔

”جلدی کرو، ضروری نہیں ہے وہ مر گیا یا ناکارہ ہو گیا ہو۔ اگر اس نے پستول نکال لیا تو کم سے کم چھ گولیاں فی کس مارے گا۔“

وہ تیزی سے ڈھلان کے دوسرے حصے میں آئے اور

نیچی چھت والے کمرے کی طرف بڑھے۔ یہاں سے نیچے آنا کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ شفقت مدہوش پڑا تھا۔ اس کے ہاتھ پاؤں ہل رہے تھے لیکن وہ کچھ کرنے کے قابل نہیں تھا۔ شامی نے سب سے پہلے اس کا پستول قبضے میں کیا اور جوجی سے کہا۔

''اندر جا کر دیکھو۔''

جوجی کے جانے کے بعد اس نے شفقت کی پشت سے بندھا ہوا بیگ اتارا اور اس کی تلاشی لی۔ اس کے پاس مزید کوئی ہتھیار نہیں تھا۔ صرف ایک پرس، ایک موبائل فون، ایک کی چین اور ایک عدد چھوٹی سی دوربین تھی۔ باہر فائرنگ کا سلسلہ رہ رہ کر جاری تھا۔ جوجی اندر داخل ہوا اور اس نے بے تابی سے صوبی کو آواز دی۔ اس کی آواز پر فوری ردِعمل ہوا اور اندر سے صوبی نے چیخ ماری۔ وہ اس کمرے میں بیڈ تلے تھے جہاں صوبی کو ہوش آیا تھا لیکن شفقت نے اسے وہاں دیکھنے کی زحمت نہیں کی تھی۔ اس کے خیال میں وہ فرار ہو چکی تھی۔ جوجی کی آواز سن کر وہ اندر سے دوڑی آئی۔ جوجی نے اسے دیکھا۔

''تم ٹھیک ہو نا؟''

''ہاں، میں ٹھیک ہوں۔'' صوبی کی آنکھوں میں نمی آگئی تھی۔ ''وہ مجھے زبردستی یہاں لے آیا تھا۔''

وہ دونوں پاس آگئے تھے لیکن اسی اثنا میں تیمور اندر سے نکل آیا اس لیے سین مزید رومانٹک نہیں ہوا۔ صوبی اور تیمور نے بھی فائرنگ کی آواز سن لی تھی۔ صوبی ڈری ہوئی تھی۔

''یہ کیا ہو رہا ہے؟''

''یہ تو باہر چل کر ہی پتا چلے گا۔'' تیمور نے کہا۔ اسے بھی فکر ہو رہی تھی۔ فائرنگ کا مطلب تھا کہ جلد یا بدیر یہاں پولیس آنے والی ہے اور اس کی آمد سے پہلے ان کا یہاں سے نکل جانا ضروری تھا ورنہ بات تھانے سے آگے نواب صاحب تک چلی جاتی اور شامی نہایت آسانی سے سارا ملبا اس پر ڈال دیتا۔ وہ باہر آئے تو شفقت بے ہوش پڑا تھا۔ جوجی اسے دیکھ کر بے قابو ہو گیا اور اس نے شفقت کو کئی عدد لاتیں رسید کیں۔ یہ اور بات ہے کہ اس جیسے سخت جان کا یہ لاتیں کچھ نہیں بگاڑ سکتی تھیں۔ وہ تو اوپر سے گر کر بے ہوش پڑا تھا۔ شامی گیٹ سے لگا دوربین سے باہر دیکھ رہا تھا۔ اس نے اطلاع دی۔

''باہر دونوں پارٹیاں موجود ہیں اور ایک دوسرے پر گولیاں برسا رہی ہیں۔''

تیمور اس کے پاس آیا۔ ''کون سی پارٹیاں؟''

''اکرم موجی اور رشید بلا کی۔'' شامی نے اسے آگاہ کیا۔

''اباجی یہاں ہیں؟'' جوجی بولا۔

''میرے ابو بھی...'' صوبی فکرمند نظر آنے لگی۔ شامی، تیمور اور جوجی نے چونک کر اسے دیکھا۔

''تمہارے ابو...؟'' جوجی نے پوچھا۔

صوبی نے شرمندگی سے سر ہلایا۔ ''اکرم میرے ابو ہیں۔ میں نے تمہیں اس لیے نہیں بتایا کہ تم مجھ سے دور نہ ہو جاؤ۔''

جوجی نے ٹھنڈی سانس لی۔ ''اسی وجہ سے میں نے تمہیں اپنے اباجی کے بارے میں نہیں بتایا تھا۔''

''قدرت کیا پرفیکٹ میچ کرتی ہے۔'' تیمور نے کہا۔ ''لیکن تمہارے والد صاحبان تو لڑنے مرنے پر تلے ہوئے ہیں۔''

''پلیز ان کو روکو۔'' صوبی نے فریاد کی۔

شامی تیمور کو ایک طرف لے گیا۔ ''دیکھ یار! کرنے والے سارے کام ہم نے کر دیے ہیں۔ دو محبت کرنے والوں کو ملوا دیا ہے اور اس فساد کی جڑ بھی یہاں موجود ہے اس لیے ہمیں منظرِ عام سے غائب ہو جانا چاہیے۔ اس سے پہلے کہ پولیس یہاں قدم رنجہ فرمائے۔''

تیمور نے اس کی تائید کی۔ ''اور بات دادا جان تک جائے لیکن ان کا کیا کرنا ہے؟'' اس نے صوبی اور جوجی کی طرف دیکھا جو گیٹ کے جھروکوں سے آنکھ لگائے اپنے باپوں کو برسرِ پیکار دیکھ رہے تھے۔

شامی بھنا گیا۔ ''تو کیا اب ان کا نکاح پڑھا کر جاؤ گے؟''

''نہیں یار! یہ نادان ہیں۔ کہیں کوئی غلط قدم نہ اٹھا لیں اور پھر اتنے لوگ بے گناہ مر جائیں گے۔'' تیمور نے کہا اور پھر شفقت کی طرف دیکھا۔ ''اس کے پاس موبائل ہوگا۔''

''ہاں، یہ اس کے پاس سے نکلا ہے۔'' شامی نے موبائل اسے تھما دیا۔

تیمور نے چیک کیا اور اس کی توقع کے عین مطابق اسے موبائل میں اکرم اور رشید کے نمبر مل گئے۔ اس نے پہلے رشید کا نمبر ملایا۔ کچھ دیر بعد اس نے کال ریسیو کی۔

''تم... کہاں سے بات کر رہے ہو؟''

''میں کہیں سے بات نہیں کر رہا ہوں۔ صرف جوجی کے بارے میں بتا رہا ہوں۔ وہ اور تمہارا اصل مجرم یہ اوپر والے مکان میں موجود ہیں۔ سڑک سے بائیں طرف اوپر دیکھو سفید دیوار والا احاطہ ہے۔ اپنے آدمیوں سے کہو فائرنگ بند کر دیں۔''

''تم...'' رشید بلا نے کہنا چاہا لیکن تیمور نے اس سے پہلے لائن کاٹ دی۔ پھر اس نے تیزی سے اکرم موجی کا نمبر ملا کر اسے بھی یہی اطلاع دی کہ اس کی بیٹی اور اصل مجرم مکان میں موجود ہے۔ وہ فائرنگ بند کرے تو وہ باہر آسکتے ہیں۔

تیمور نے بات کرتے ہی کال کاٹ دی لیکن اس کا اثر فوراً ہوا اور نیچے فائرنگ بند ہو گئی۔ تیمور نے صوبی اور جوجی سے کہا۔

''تم نے محبت کی، یہ بری بات نہیں ہے لیکن گھر سے بھاگ کر تم دونوں نے غلطی کی۔ اس کے نتیجے میں تمہارے باپوں کے درمیان لڑائی ہوئی اور اب تک کئی لوگ مارے جا چکے ہیں۔ اس لیے اب یہ تم دونوں کا فرض ہے کہ معاملہ ٹھیک کرو۔ چاہے تمہیں اس کی کوئی بھی قیمت ادا کرنی پڑے۔ فائرنگ رک گئی ہے، تم باہر جا سکتے ہو اور اپنے اپنے باپوں کو اصل صورتِ حال بتا کر اور شفقت کو پیش کر کے معاملے کو ٹھنڈا کر سکتے ہو۔''

''یہ کام تو آپ بھی کر سکتے ہیں۔'' جوجی نے کہا۔

''برخوردار! ہمارا اس معاملے میں ملوث ہونا ٹھیک نہیں ہے اور پھر تم دادا جان کو بھی جانتے ہو۔'' شامی نے کہا۔ ''ہم پیچھے سے نکل جائیں گے۔ امید ہے کہ تمہارے اباجی اور تمہارے ابوجی تمہیں قتل کرنے سے گریز کریں گے۔ یہ اپنی چیزیں سنبھالو۔'' شامی نے بیگ جوجی کو تھما دیا۔ ''اس میں تمہاری رقم اور زیور ہے۔ اور اب شاباش، باہر نکل جاؤ ورنہ کہیں باہر والے اندر نہ آجائیں۔''

''میں نہیں جاؤں گی۔'' صوبی نے انکار کر دیا۔ ''ابو مجھے دیکھتے ہی گولی مار دیں گے۔''

''تم نے کام بھی تو ایسا کیا ہے۔'' شامی نے کہا۔ ''مگر میرا خیال ہے ایسا نہیں ہوگا۔''

جوجی نے بھی صوبی کو سمجھایا اور وہ ہمت کر کے باہر جانے کو تیار ہو گئی۔ وہ دونوں ساتھ ساتھ باہر نکلے تھے۔ اس لیے اگر نیچے کسی کے ذہن میں گولی چلانے کا خیال تھا تو وہ اپنے ارادے سے باز آگیا۔ شامی اور تیمور گیٹ سے جھانک کر دیکھ رہے تھے۔ دونوں بہ خیر و حفاظت نیچے سڑک تک پہنچ گئے تو شامی نے کہا۔ ''بھائی اب نکل لو، اس سے پہلے کہ وہ یہاں آجائیں۔''

تیمور نے اس سے اتفاق کیا اور دونوں چھت سے ہوتے ہوئے عقب میں اتر گئے۔ اس کے بعد کسی نہ کسی طرح کار تک پہنچنے میں کامیاب رہے اور فوری طور پر وہاں سے روانہ ہو گئے۔ خاصا دور نکلنے کے بعد انہیں رفیق کا خیال آیا اور انہوں نے کار روک کر اسے ڈکی سے نکالا۔ دھوئیں کے اثر سے اس کی حالت شرابیوں کی سی ہو رہی تھی لیکن اس کی جان کو خطرہ نہیں تھا۔ کچھ دیر میں اس کی حالت سنبھل جاتی تو وہ خود چلا جاتا اس لیے وہ اسے چھوڑ کر روانہ ہو گئے۔

☆☆☆

''نوشی۔'' شامی نے ہمت کر کے کہا۔ ''آج موسم اچھا ہے۔''

''اچھا۔'' نوشی نے صاف آسمان کی طرف دیکھا جہاں مشرق سے طلوع ہونے والا سورج نہایت آب و تاب سے چمک رہا تھا اور وہ دونوں صبح سویرے پسینے میں نہا رہے تھے۔ نوشی نے طنزیہ انداز میں کہا۔ ''واقعی موسم بہت اچھا ہو رہا ہے۔''

''میرا مطلب ہے آج ہم کہیں باہر چلیں، ڈنر باہر کریں گے۔''

نوشی کے سخت تاثرات کسی قدر نرم پڑ گئے لیکن فوراً اسے کچھ خیال آیا۔ ''سوری، میری پاکٹ منی ختم ہونے والی ہے۔''

''اس بار بل میں دوں گا۔'' شامی نے کمال فراخ دلی سے کہا۔

''تب ٹھیک ہے۔'' نوشی مسکرانے لگی اور اپنی گلی میں داخل ہوتے ہی گھر کی طرف چلی گئی۔ شامی خوش خوش گیٹ سے اندر آیا تو فولاد خان حسبِ معمول اخبار چیک کر رہا تھا۔ شامی کو دیکھتے ہی اس نے کہا۔

''شامی صیب! قیامت قریب اے۔''

''درست کہا، ابھی ابھی اپنے گھر گئی ہے۔ شام کو مجھ پر گزرے گی۔'' شامی نے ہانپتے ہوئے جواب دیا۔

فولاد خان مسکرانے لگا۔ ''ام اس قیامت کا بات نہیں کرتا، اس کا بات کرتا اے۔'' اس نے اخبار شامی کے سامنے کر دیا۔ ''پندرہ سولہ سال کا بچہ لوگ اپنا باپ کو کس طرح مجبور کرتا اے۔''

شامی نے اخبار دیکھا جس میں رپورٹر نے نام لیے بغیر جوجی اور صوبی کی ساری داستانِ محبت شائع کر دی تھی اور انکشاف کیا تھا کہ ان کے جانی دشمن باپ اب ان کی وجہ سے دوستی پر مجبور ہو گئے ہیں کیونکہ کچھ سال بعد وہ دونوں سمدھی بننے والے تھے۔ رشتہ البتہ طے کر دیا گیا تھا۔ شامی نے سر ہلایا۔ اسے اسی کی توقع تھی۔ آج کل کی نسل ایک یہی ہنر تو اچھی طرح سیکھ گئی ہے کہ ماں باپ کو اپنی مرضی پر کس طرح چلانا ہے۔ ان کی بدقسمتی کہ ان کا سابقہ نواب صاحب سے تھا جو صرف اپنی مرضی چلانا جانتے تھے۔ شامی نے سرد آہ بھری اور اندر کی طرف روانہ ہو گیا۔